ISSN 0548-0663 (UGC CARE List)

زبان وادب، تہذیب وثقافت کا ترجمان

نیا دور

اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۲۳ء

محکمۂ اطلاعات ورابطۂ عامہ، اتر پردیش

۱۵ روپے

جناب وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ پریاگ راج میں مہا کمبھ کی تیاریوں کا جائزہ لیتے ہوئے۔

پریاگ راج مہا کمبھ میں عقیدت مندوں کے اجتماع کا خوبصورت منظر۔

جلد:78 شمارہ:06,07,08

ماہنامہ نیا دور لکھنؤ

اکتوبر،نومبر،دسمبر ۲۰۲۳ء

سرپرست

جناب سنجے پرساد

پرنسپل سکریٹری،محکمہ اطلاعات ورابطہ عامہ،اتر پردیش

پبلشر: ششر (ڈائرکٹر،انفارمیشن)

جناب انشمان ترپاٹھی (ایڈیشنل ڈائرکٹر،انفارمیشن)

ایڈیٹر

ریحان عباس

رابطہ:9838931772

Email:nayadaurmonthly@gmail.com

معاون

شاہد کمال

نظارت: آسیہ خاتون،9721856191

رابطہ برائے سرکولیشن وزرسالانہ:

صباعرفی:7705800953

تزئین کار: ایم. ایچ. ندوی

مطبوعہ: پرکاش پیکجرس، گولہ گنج لکھنؤ

شائع کردہ: محکمہ اطلاعات ورابطہ عامہ، اتر پردیش

زرسالانہ: ۱۸۰/روپے

ترسیل زر کا پتہ

ڈائرکٹر انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ

پنڈت دین دیال اُپادھیائے سوچنا پریسر، پارک روڈ،

اتر پردیش لکھنؤ 226001

Pleas send Cheque/Bank Draft in favour of Director,Information & Public Relations Department,Pandit Deendayal Upadhyay Soochna Parisar,UP,Lucknow

خط وکتابت کا پتہ

ایڈیٹر نیا دور، پوسٹ باکس نمبر ۱۴۶ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱

بذریعہ کوریئر یا رجسٹرڈ پوسٹ

ایڈیٹر نیا دور، انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ

پارک روڈ، سوچنا بھون، اتر پردیش لکھنؤ 226001

ISSN 0548-0663 (UGC CARE List)

اس شمارے میں...

اداریہ

اپنی بات ۲

مضامین

نعت گوئی کے کچھ آداب واحتیاط	پروفیسر سید شفیق احمد اشرفی	۳
نعت گوئی: اُردو کی چند مثنویوں کے تناظر میں	پروفیسر نگینہ جبین	۵
اردو نعتیہ شاعری: تاریخ ومعیار	ڈاکٹر منظور احمد گنائی	۹
جناب ابو طالب بحیثیت نعت گو	شاہد کمال	۱۳
نعت اور عرفانیات کا شاعر دھرم پال گپتا وفا دہلوی	ڈاکٹر علی عباس	۲۱
ہندوستان میں نعت گوئی کی روایت آزادی کے بعد	ڈاکٹر مخمور کاکوروی	۲۴
علیم اختر مظفر نگری کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر محمد مستمر	۲۶
امیر خسروؔ کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر فیضان حیدر	۳۱
غیر مسلم نعت گو شعرا بالخصوص کنور مہندر سنگھ بیدی	ڈاکٹر کہکشاں عرفان	۳۵
علامہ اقبال اور عشق رسول ﷺ	ڈاکٹر خوشنما علی	۳۸
شادؔ عظیم آبادی کی نعتیہ شاعری	طفیل احمد مصباحی	۴۱
صنف نعت گوئی اور شعرائے ریاست ٹونک	ڈاکٹر راشد میاں	۴۵
جواد حسین نشترؔ مبارکپوری کی نعتیہ شاعری	محمد رضا (ایلیا)	۴۸
نعتیہ شاعری میں مولانا ظفر علی خان کا انفراد	پیرزادہ محمد زاہد	۵۲
نعتیہ شاعری ایک جائزہ	حمید النساء	۵۴

منظومات

نعت	ڈاکٹر عزیز خیر آبادی	۱۲
نعت	ظفر اقبال ظفرؔ	۲۳
نعت	مجاور مرزا	۴۰
نعت	ذکری حمید	۴۷
نعت	سید عارف لکھنوی	۵۱
نعت	جبیں نازاں	۵۶
نعت	یاورؔ وارثی / میر نظیرؔ باقری	۵۷
نعتیں	علی اخترؔ زیدی / ڈاکٹر کمال اختر شیدا اعظمی	۵۸
نعتیں	فردوس گیاوی / ناطق غازی پوری	۵۹
نعتیں	سہیلؔ کاکوروی / ہادی رضا ہادیؔ	۶۰
نعتیں	مولانا ظہیر الہ آبادی / ریحانہ عاطف	۶۱
نعتیں	عباس رضا تنویرؔ / نسرین نکہت	۶۲
نعتیں	منصور محور / ندیم جعفری	۶۳

ترقیات

اتر پردیش اور جاپان کے درمیان صنعتی تعاون	علیشا	۶۴

نیا دور میں شائع ہونے والے تمام ترمشمولات میں جن خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، اس کی پوری ذمہ داری مصنف کی ہے۔ حکومت اتر پردیش کا متفق ہونا بہرحال ضروری نہیں ہے۔

For Latest Issues of Naya Daur visit at www.information.up.nic.in

اپنی بات

اکتوبر ۲۰۲۳ء تا دسمبر ۲۰۲۳ء کا شمارہ نعت پر مبنی قارئین کرام کی خدمت میں حاضر ہے۔

اردو زبان کا تاریخی سرمایہ تخلیقاتی ادب سے بھرپور ہے۔ ان موضوعات پر خاصہ کام کیا جا چکا ہے، منثورات و منظومات پر فنی دسترس رکھنے والے ماہر ادباء، شعراء، ناقدین ادب نے اردو زبان کی مختلف اصناف سخن میں نَو بہ نَو انداز سے اپنے علمی تجدد کا اظہار خود سلیقگی کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن اردو شعریات سے متعلق دیگر اصناف سخن کے مقابل خاص کر ''نعتیہ ادب'' اعتقادی نظریات کی بنیاد پر اپنا انفرادی اختصاص رکھتا ہے۔ چونکہ ''نعت'' کا براہ راست تعلق عشق اول، عقل کل، ختم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات والاصفات سے متصف ہے۔ اس لئے ''نعت'' دیگر اصناف سخن کے مقابلے ایک برگزیدہ صنف تصور کی جاتی ہے۔ عربی ادب میں بھی یہ صنف دو وجہوں سے زیادہ اہم ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ نعت کا مرکز ممدوح کا تعلق خود عرب سے ہے، اور دوسری سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ ''نعت'' بحیثیت صنف سخن سب سے پہلے عربی ادب میں ہی متعارف ہوئی۔ اُس کے بعد یہ صنف سخن فارسی اور اردو زبان میں اپنے روحانی اعتقاد انتہائی مرحلے میں فروکش ہوئی۔

اردو زبان میں ''نعتیہ ادب'' کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ اردو زبان کی تاریخ، اردو کے اوّلین شعراء کی تخلیقات میں نعتیہ اشعار کثرت سے موجود ہیں۔ ابتدائی عہد میں دکن سے شمالی ہند میں بیشتر شعراء کے شائع ہونے والے دیوان یا شعری مجموعہ میں اہتمام کے ساتھ نعتیہ اشعار شائع کئے جاتے رہے ہیں۔ اسی طرح ہر عہد میں شائع ہونے والے بہت سے رسائل و جرائد نے بھی ''نعت'' پر خصوصی نمبروں کی اشاعت کی ہے۔ کچھ ایسے رسالے بھی ہیں جن کی مقبولیت آج تک اُن کے نعت نمبروں کی وجہ سے ہی ہے۔

''ماہنامہ نیا دور'' بھی ''نعتیہ ادب'' پر ایک خاص شمارے کی اشاعت کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ موضوع بہت وسیع ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا بھی جا رہا ہے۔ ماہنامہ 'نیا دور' کو بھی بہت سے مضامین موصول ہوئے لیکن صفحات کے اختصاص کی وجہ سے بہت سے تخلیق کاروں کے مضامین کی اشاعت ممکن نہیں ہو سکی۔ اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ ''نعتیہ ادب'' کا یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا، اپنی رائے ضرور دیں۔

ریحان عباس

یہ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۲۳ء کا ہے۔ جس کو فروری ۲۰۲۵ء میں شائع کیا جا رہا ہے۔

پروفیسر سید شفیق احمد اشرفی
وسندھرا و ہار کالونی، عادل نگر، لکھنؤ
9319742882

نعت گوئی کے کچھ آداب و احتیاط

نعت عربی لفظ ہے اور عربی زبان میں یہ لفظ اصطلاحی اور غیر اصطلاحی دونوں معانی میں استعمال ہوا ہے۔ نعت کے اصطلاحی معنی جہاں حضور پاکؐ کی توصیف اور مدح وثنا ہے وہیں غیر اصطلاحی معنی وصف کے بھی ہیں۔ فارسی زبان میں بھی نعت کا لفظ اصطلاحی اور غیر اصطلاحی معانی میں صرف ہوا ہے لیکن یہ اردو زبان کا اختصاص ہے کہ اس نے نعت کو فقط اصطلاحی معنی میں رائج کیا۔ اردو میں نعت سے مراد نبی پاکؐ کی توصیف ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اردو زبان میں نعت کا لفظ حضورؐ کے علاوہ کسی کی شان میں استعمال ہی نہیں ہوا ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید کو تلاش وجستجو کے بعد ایک قدیم مثنوی 'زیتون اور محمد حنیف' میں یہ لفظ صحابہ کبار کی توصیف میں مل گیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> علی خاں نے اپنے منظوم قصے کے آغاز میں حمد و نعت کے بعد صحابہ کرامؓ کی منقبت سے پہلے عنوان درج کرتے ہیں 'درنعت اصحاب کبار رضی اللہ عنہم'۔(۱)

(اردو میں نعت گوئی مصنفہ ڈاکٹر ریاض مجید ص ۸)

مذکورہ بالا حوالے میں بھی نعت کا تصرف کسی عام شخص کے لئے نہیں، بزرگان اسلام کے لئے ہوا ہے۔ اردو میں ہمیشہ 'نعت' کا لفظ مقدس اور محترم رہا ہے۔ اب تو اس کا اطلاق نظم پر ہوتا ہے۔ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف نظم میں ہو یا نثر دونوں پر نعت کا اطلاق ہوتا تھا لیکن اب نعت نظم کے لئے خاص ہوگئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت کی شناخت ہیئت نہیں موضوع کی بنیاد پر ہے۔ ہیئت کی قیود سے آزادی نے نعت کا دائرہ بڑھا دیا ہے۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نعت نے ہر ہیئت کے لئے اپنا سینہ کھول رکھا ہے۔ غزل ہو یا نظم، مثنوی ہو کہ مسدس، مثلث ہو کہ رباعی، مخمس ہو کہ قطعہ گویا ہر ہیئت میں نعت کا گلشن کھلا ہوا ہے۔ نعت کا چمن اپنی جگہ، اس چمن کے پھول مختلف گلدستوں میں بھی سجے ہوئے نظر آتے ہیں۔ شعراء نے غزل کے درمیان میں بھی اپنی عقیدت کا اظہار کرنے سے گریز نہیں کیا ہے۔

عشرت لکھنوی اپنے تذکرے 'ہندو شعراء' میں منشی روپ چند کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی ہر غزل میں ایک شعر نعت کا ضرور ہوتا تھا۔(۲) (بہر زماں بہر مکاں مؤلفہ نور میٹھی ص ۳۵)۔ مرثیہ کا میدان تو خالص کربلا ہے لیکن مرثیہ نگاروں نے بھی مرثیہ کی فضا میں نعت کے موتی ٹانکے ہیں۔ ابھی حال میں پروفیسر ضمیر حیدر ریالکوٹی کی کتاب 'اردو مرثیہ میں نعتیہ عناصر' آئی ہے۔ انھوں نے مراثی کی درونی ساخت سے نعت کی تلاش کی ہے ان کی کتاب کو ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مرثیہ میں نعت کی نشاندہی پہلی مرتبہ ہوئی ہے۔ اکرم کنجاہی کی کتاب 'نعت گوئی: ہیئت، اسلوب اور موضوع' میں مرثیہ کے ساتھ دیگر ادبی اصناف میں نعت کے عناصر دیکھے جاسکتے ہیں۔(۳) (نعت گوئی: ہیئت، اسلوب اور موضوع مؤلفہ اکرم کنجاہی مطبوعہ شیر ربانی پریس ملتان ۲۰۲۳ء)

پروفیسر ناصر عباس نیر نے بالواسطہ اشعار کو بھی نعت میں شامل کیا ہے۔ جس کا تناظر خالص آنحضرتؐ کی شان اقدس قرار پاسکے۔ پروفیسر صاحب کے اس خیال نے علامتی شاعری میں بھی نعت کا باب کھول دیا ہے۔ اب جدیدیت پسند شعراء میں بھی نعتیہ عناصر کی تلاش کی جاسکتی ہے۔

اردو کے تقدیسی ادب میں نعت ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ نعت کا مقام حمد اور منقبت کے درمیان ہے۔ حمد الٰہی کا وسیلہ ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور منقبت حضورؐ سے محبت کے نتیجے میں ظہور میں آئی ہے۔ مرثیہ بھی اسی لئے مرثیہ ہے کہ اس میں آل رسولؐ کی قربانی کی درد بھری داستان ہے۔ تقدیسی ادب کے شعراء کے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن و دل، فکر و فن اور علم و اظہار کو نعت سے سرشار رکھیں اور نعت کے مرکز اور دائرے کی سختی سے پابندی کریں۔ تقدیسی ادب غزل کی مانند انفرادی اور ذاتی دنیا نہیں ہے۔

> ''نعت بھی حمد و منقبت کی طرح تین ستونوں پر کھڑی ہے، عقیدت، عقیدہ اور تعلق۔ ان سہ ستونی عمارت کو دو ستون، عقیدت اور تعلق پر بھی استوار کیا جا سکتا ہے۔ غیر مسلم نعت گو حضرات انھیں دو ستونوں پر قدم جما کر نعت کے میدان میں بلند بانگ ہوتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عقیدے میں ڈوبنے کا احساس اور تجربہ غیر مسلم کو حاصل نہیں ہوسکتا اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مسلم نعت گو شعراء کو نعت گوئی میں ایک اضافی قدر حاصل ہے۔ کیا اس اضافی قدر کی اساس پر مسلم شعراء کو نعت گوئی میں فوقیت حاصل رہے گی؟ اس سوال کا جواب بس اس صورت میں 'ہاں' میں ہوسکتا ہے جب مسلم اور غیر مسلم نعت گو شعراء کو کامل، ہم پلہ اور بالکل برابر کا تصور کرلیا جائے۔ اس کے برخلاف جوش عقیدت، فکر و تخیل اور تخلیقی شعور، اظہار و اسلوب اور فنکاری پر قدرت کے ساتھ تعلق کی گہرائی کا احساس اگر غیر مسلم شاعر کے ہاتھ میں ہے تو تین ستونی شعراء اس دو ستونی تخلیق کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔''

یہ عقیدت اور عقائد کا جہان ہے۔اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ تقدیسی ادب میں انفرادیت کا کوئی مقام ہی نہیں ہے۔اس میں شاعر اپنی انفرادیت عمومیت کے قیام کے بعد بنا سکتا ہے۔عمومیت کا قیام ایک مبہم اصطلاح ہے۔اس کی توضیح یہ ہے کہ عقیدت اور عقائد کی ایک عمومی سطح ہے جس پر ہر ایک کو کھرا اترنا ضروری ہے۔اس عمومی سطح کے بعد عرفان و معرفت کا باب کھلتا ہے جس میں انفرادیت داخل ہوتی ہے۔

نعت کے دائرے کے اوپر اور نیچے دو دائرے ہوتے ہیں۔اوپر کا دائرہ حمد اور نیچے کا دائرہ منقبت ہے۔یہ دائرے آپس میں منسلک تو ہوتے ہیں لیکن ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوتے۔ نعت کا دائرہ اپنے بالائی دائرے میں داخل ہوتے ہی الوہیت میں داخل ہو جاتا ہے اور نچلا دائرہ نعت میں داخل ہو کر بشریت کے حدود سے باہر ہو جاتا ہے۔ان دونوں بے احتیاطیوں سے توحید و رسالت کے عقائد پر حرف آتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ بے احتیاطیاں عمداً نہیں ہوتیں بلکہ جوش محبت اور فرط عقیدت بینائیوں کو متاثر کرتی ہے۔اگر شاعر تقدیسی میدان میں اپنے آپ کو اس بات کا پابند کر لے کہ وہ مبالغہ سے کام نہیں لے گا تو بہت ممکن ہے کہ اس سے بے احتیاطی سرزد نہ ہو۔

نعت بھی حمد و منقبت کی طرح تین ستونوں پر کھڑی ہے،عقیدت،عقیدہ اور تعلق۔ان سہ ستونی عمارت کو دو ستون،عقیدت اور تعلق پر بھی استوار کیا جا سکتا ہے۔غیر مسلم نعت گو حضرات انھیں دو ستونوں پر قدم جما کر نعت کے میدان میں بلند بانگ ہوتے رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ عقیدے میں ڈوبنے کا احساس اور تجربہ غیر مسلم کو حاصل نہیں ہو سکتا اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مسلم نعت گو شعراء کو نعت گوئی میں ایک اضافی قدر حاصل ہے۔کیا اس اضافی قدر کی اساس پر مسلم شعراء کو نعت گوئی میں فوقیت حاصل رہے گی؟اس سوال کا جواب بس اس صورت میں 'ہاں' میں ہو سکتا ہے جب مسلم اور غیر مسلم نعت گو شعراء کو کامل، ہم پلہ اور بالکل برابر کا تصور کر لیا جائے۔اس کے برخلاف جوش عقیدت،فکر و تخیل اور تخلیقی شعور،اظہار و اسلوب اور فنکاری پر قدرت کے ساتھ تعلق کی گہرائی کا احساس اگر غیر مسلم شاعر کے ہاتھ میں ہے تو تین ستونی شعراء اس دو ستونی تخلیق کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

سہ ستونی اور دو ستونی شعراء کی اصطلاح سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عقیدے کے حدود میں غیر مسلم نعت گو شاعر داخل ہو ہی نہیں ہو سکتا یہ خیال درست نہیں ہے۔عقیدے کی بنیاد مابعد الطبیعی ہوتی ہے۔ہر مذہب کی اساس مابعد الطبیعی ہے لہٰذا غیر مسلم شاعر بھی مابعد الطبیعی عقائد کا احساس اور تجربہ رکھتا ہے گو کہ یہ احساس اور تجربہ یکسانیت کے ساتھ افتراق بھی رکھتا ہے۔غیر مسلم نعت گو شاعر جس درجہ اس افتراق پر قابو پا سکتا ہے اسی درجہ تیسرے ستون کے سایہ میں آ سکتا ہے۔

عقیدے کا ایک جسم ہوتا ہے اور ایک روح۔اس کو مذہب کی اصطلاح میں اسلام اور ایمان کہا جاتا ہے۔قرآن میں کچھ اس طرح کہا گیا ہے کہ تم اسلام تو لائے ہو لیکن ایمان ابھی تمہارے قلب میں نہیں اترا ہے۔اسلام علمی اور ذہنی اور ایمان قلبی معاملہ ہے۔اسلام کی ذہنی سطح یعنی مسلمات کے علم اور علمی زندگی کے مشاہدے تک کوئی بھی پہنچ سکتا ہے اور اس کو اپنی زندگی کا تجربہ اور مشاہدہ بھی بنا سکتا ہے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو غیر مسلم نعت گو شعراء کی دسترس عقیدے میں بھی کسی حد تک ہو جاتی ہے۔

اب سوال کیا جائے کہ عقیدت،عقیدہ اور تعلق میں کیا چیز بنیادی ہے؟اس سوال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ تعلق۔تعلق ہی ہے جو عقیدت میں عمل پیدا کرتا ہے ورنہ عقیدت تو بے تعلقی کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔تعلق ہی ہے جو عقیدے کے اعمال کو غلامی کے بجائے بندگی کے تصور میں ڈھالتا ہے۔ظاہر ہے تعلق باللہ اور تعلق بالرسولؐ کے اپنے تقاضے ہیں۔تعلق کو سمجھنے کے لئے اگر سوال کیا جائے کہ تعلق کی ساس کیا ہے؟تو اس کے جواب میں عرض کیا جا سکتا ہے محبت۔محبت کے بغیر تعلق کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔تعلق کی ساخت پر غور کیجئے تو نظر آئے گا کہ اس کی تعمیر و تشکیل کشش سے ہوئی ہے۔یعنی جہاں کشش ہوگی وہاں تعلق پیدا ہوگا۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کشش کے اپنے مدارج اور سطحیں ہیں۔کشش کی فطرت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ جذب و انجذاب اس کی اولین فطرت ہے۔تعلق کی دوسری فطرت اپنے وجود کی شناخت کو دوسرے وجود کی شناخت میں ضم کر دینا ہے۔یہ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب کشش اپنے مقصود تک پہنچ جاتی ہے اسی حالت کو اصطلاحاً وصل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تعلق اپنی اولین فطرت ہی میں وجود تعلق یا ہیئت تعلق میں برقرار رہتا ہے۔اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ تعلق کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ محبت وصل کی تڑپ میں ڈوبی ہوئی ہو اور وصل کسی صورت ممکن نہ ہو۔تعلق کو یہ معراج مابعد الطبیعی دنیا کے سوا کسی اور مقام سے حاصل نہیں ہو سکتی۔حمد الٰہی اور توصیف رسول مابعد الطبیعی نوعیت رکھتی ہے لہٰذا نعت کے آداب میں شامل ہے کہ محمدؐ کو بشری پیکر تو سمجھا جائے بلکہ اس طرح کہ وہ صاحب وحی ہیں،اللہ کے رسول ہیں،پیغمبر ہیں،نذیر و بشیر ہیں،رحمت العالمین،شافع روز جزا ہیں،محبوب الٰہی ہیں اور صادق الامین ہیں۔جب ان تصورات کے ساتھ شاعر میدان نعت گوئی میں قدم رکھے گا تو آنحضرتؐ کی ذات گرامی کو دائرۂ بشریت میں فوق البشر مان کر الوہیت کے دائرے سے نکلتے ہوئے مدح و ثنا میں اپنی محبت،جذبات،احساسات،خود سپردگی اور ایثار و قربانی کا اظہار کرے گا۔یہی اظہار نعت کے شایان شان ہے۔

ایک بات اور شاعر کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اظہار کی سطح پر نعت کا اولین پہلو مذہب ہے لہٰذا مضمون اور اظہار دونوں کو مذہبی مسلمات کے مطابقت ہونا لازم ہے۔نعت کا دوسرا پہلو فن کارانہ اظہار ہے۔اس اظہار میں نعت گو کو فن کی اس سطح کو برتنے کی کوشش کرنا چاہیے جو حمد کے علاوہ کسی اور صنف شاعری میں استعمال نہ ہوئی ہو۔اس شرط کی روشنی میں نعت گوئی ایک مشکل فن بن جاتا ہے۔نعت گوئی کے لئے شاعر کو ان احساسات کی گہرائیوں میں اترنا لازم ہو جاتا ہے جن کے سرے مابعد الطبیعی دنیا کی طرف جاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

نعت گوئی کے اس معیار پر آکر نعت گوئی کی تنقید ایک اور رخ اختیار کر لیتی ہے۔نعت کی تنقید کے دو ظاہری رخ ہیں مذہبی مسلمات اور فن کارانہ مہارت کا اظہار۔اب ایک رخ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی دیکھا جائے کہ نعت گوئی میں شاعر خیال اور اظہار کی جس سطح پر موجود ہے،وہی شاعر دیگر اصناف میں کس سطح پر ہے اور کیا نعت گوئی کی سطح اس سے ارفع و اعلیٰ ہے؟

□□□

گزارش

برائے کرم اشاعت کے لیے اپنی تخلیقات کے ساتھ اپنے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات، بینک اکاؤنٹ نمبر، بینک کا نام و برانچ کا نام، آئی ایف ایس سی کوڈ نمبر ضرور تحریر کریں۔

اس کے بغیر کسی بھی تخلیق کی اشاعت پر غور نہیں کیا جائے گا۔

Name:-
Account No:-
Bank and Branch Name:-
IFSC No:-

ایڈیٹر نیا دور

پروفیسر نگینہ جبین

صدر شعبۂ اردو، ڈی جی پی جی کالج، سول لائنس، کانپور

9935424712

نعت گوئی: اُردو کی چند مثنویوں کے تناظر میں

اس عنوان کے متعلق یہ خیال اور سوال ہو سکتا ہے کہ نعت کا مثنوی سے کیا تعلق، مثنوی تو خیال، تصوراتی اور ما فوق الفطری عناصر، مہماتی واقعات، نشاط آرائیوں بادشاہوں، امراء، وزیر اور اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بیشتر واقعات کو داستانوی رنگ میں پیش کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مثنویوں کا ابتداء ہی سے تعلق حمد و نعت و منقبت سے رہا ہے وہ چاہے عربی و فارسی زبان کی مثنویاں ہوں یا اُردو زبان کی۔ مثنوی کی اصطلاحی آسانیوں کی وجہ سے ابتداء میں صوفیائے کرام نے اسے اخلاقی و مذہبی درس و واعظ و نصیحت کا ذریعہ بنایا۔

”ابتدائی عہد کے مثنوی پارے جو زیادہ تر صوفیائے کرام کے رشحات پر مشتمل ہیں یہ موجودہ رسم الخط میں لکھی ہوئی اسی بھاشا کے نمونے ہیں جن میں عربی و فارسی کے لفظ موجود ہیں ان کی بحریں عموماً برج کی ہیں اور یہ منتشر پارے ساتویں صدی ہجری کے نصف آخر سے لے کر دسویں صدی ہجری کے زمانے پر حاوی ہیں“۔

یہ ساری باتیں دکن کی ابتدائی مثنویوں سے متعلق ہیں۔ یہاں جن مثنویوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ ان میں دو مثنویاں دکن کی اور دو شمالی ہند کی شہرۂ آفاق تسلیم کی گئی ہیں۔ مثنوی قطب مشتری اور پھول بن کا تعلق دکن سے اور سحر البیان و گلزار نسیم شمالی ہند کی مثنویاں ہیں۔

یوں تو نعت گوئی کا تعلق براہ راست قصیدہ سے ہے۔ حمد، نعت و منقبت کو عربی اور فارسی شاعری میں قصیدہ کا اہم حصہ مانا گیا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ حمد کو ہر قسم کی نظمیہ شاعری کے لئے اہم جزو قرار دیا گیا اور نعت یا نعتیہ نظم جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اُسے قصیدہ در مدح خیر المرسلین اور منقبت جس میں صحابہ کرام کی مدح کی گئی اُسے قصیدہ در مدح (جس بھی صحابی کے متعلق لکھا گیا) اس کے نام سے معنون کیا گیا مثال کے طور پر سودا کا قصیدہ مل قصیدہ در مدح حضرت علیؓ ”چہرہ مہر وش ہے ایک سنبل کی مشک فام دو۔ حسن بتاں کے دور میں ہے صبح ایک شام دو۔ اور غالب کا قصیدہ“ ”دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں۔ ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں“ کہا گیا ہے۔

نعت کی تاریخ سرور کائنات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے زمانے سے ہی ملنے لگتی ہے۔ حمد و نعت و منقبت سے کلام کی ابتداء کا یہی طریقہ عربی و فارسی کے مثنوی نگاروں نے بھی اختیار کیا۔ مثنوی کی ابتدائی تاریخ پر کم و بیش یہی صوفیانہ رنگ سایہ فگن ہے۔ کوئی بھی طویل نظم اس انتظام کے بغیر آگے نہیں بڑھتی۔ جہاں تک میرا خیال ہے کہ اپنے کلام کی کامیابی کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے بارگاہ خداوندی میں دعا و مناجات کرنے کا یہی شعری طریقہ عربی و فارسی اور اُردو شاعری میں رائج ہوا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مثنویوں میں پیش کردہ واقعات کا تعلق کچھ حقیقت اور کچھ خیالی و تصوراتی باتوں اور حسن و عشق سے ہے مگر ان ہی عشقیہ مثنویوں میں جو حمد و نعت و منقبت کے حصے ہیں ان میں صداقت، پاکیزگی، قرآنی آیات و حدیث پاک اور معجزات نبی صلی اللہ علیہ وسلم و وحی اور مدح صحابہ کرام وغیرہ کا بیان معرفت، عقیدت اور ان تمام پاکیزہ ہستیوں سے مؤدت اور والہانہ عشق کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اول الذکر مثنویوں کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا جائے تو چند اہم نکات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

یہاں قطب مشتری اور پھول بن کا ذکر مقصود ہے جس کا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں مثنویاں بعض یونیورسٹیز اور کالجوں کے نصاب میں شامل ہیں اور ٹیکسٹ کے طور پر پڑھائی جاتی ہیں۔ یوں تو دکن میں مثنوی کا ایک طویل سلسلہ ہے مگر سب کا ذکر یا تجزیہ میرا موضوع نہیں۔ اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ دکنی مثنویاں حمد و نعت وغیرہ کے بے مثال نمونے پیش کرتی ہیں۔

قطب مشتری (1017ء) وجہی کا شہرۂ آفاق کارنامہ ہے۔ ملا وجہی محمد قلی قطب شاہ دربار کا غیر معمولی شہرت یافتہ شاعر ہے جسے نثر نگاری اور شاعری دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ اس کی نثری داستان ”سب رس پر بھی صوفیانہ رنگ غالب ہے“ اور قطب مشتری میں بھی کہیں کہیں سب رس کا اشتراک ہے۔ قطب مشتری کی ابتدا بھی حمد و نعت و منقبت سے ہوتی ہے۔ حمد میں مناجات بھی شامل ہے۔

> ”میر حسنؔ کا نعتیہ انداز بیان دکنی مثنویوں کے دونوں شعراء سے جدا ہے ان دونوں نے معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل امین علیہ السلام کا خصوصی ذکر کیا ہے مگر میر حسنؔ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم خاص طور سے علم لدنی اور ان کا کوئی ہم سر نہ ہونا یہاں تک کہ ان کے سائے کے نہ ہونے کی وجہ کو شاعرانہ انداز سے پیش کیا ہے۔ ”نبی خیر المرسلین، رحمت للعالمین، خیر البشر اور سب نبیوں میں افضل ہیں۔ ان کے دوئی یہاں تک کہ سایہ کا نہ ہونے کی وجہ میر حسن بتاتے ہیں کہ ان کے سائے کو نبی کریم کے قدم سے جدا ہونا پسند نہیں وہ ان کی قدم بوسی سے الگ ہونا نہیں چاہتا۔ ان کے قدموں میں رہنا ہی اس کے لئے باعث فخر ہے اس لئے ان کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے سائے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہنے والوں اور عقیدت مندوں نے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا کر پتلیوں میں مانند نور بصر اٹھا کر چھپا رکھا ہے۔ اس لئے آپ کا سایہ نہیں ہے۔“

نعتیہ حصے میں حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور واقعہ معراج اور شق القمر کا ذکر کیا گیا ہے۔جس میں معراج سے وابستہ اشعار بھی شعرگوئی کے معراج پر نظر آتے ہیں۔اس مثنوی میں نعت سے متعلق ۲۶، ذکر معراج میں ۳۴ اور منقبت میں ۱۴۹ اشعار موجود ہیں۔اگر ان اشعار کو موتیوں کی تسبیح کی طرح گوندھ لیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وجہی نے سلسلے وار ایک طویل نظم قطب مشتری میں رقم کی ہے۔نعتیہ اشعار کچھ اس طرح سے ملتے ہیں۔

محمد نبی نام تیرا اہے
عرش کے اپر چھانو تیرا اہے
کہ چودہ ملک کا تو سلطان ہے
علی سا تیرے گھر میں پردھان ہے
اسی ہو یک لک پیغمبر آئے
ولے مرتبہ لیکن تیرا نہ پائے
چھپا نور سب کا تیرے نور آں گے
کہ جوں تارے چھپتے اہے سور آنگے
مسیحا بندا آج تج راز کا
معلم اہے نوح تج جہاز کا
خدا سوں گے تو جہاں اے خلیل
نہ علیا وہاں آئے نہ جبریل
عرش کرسی تج گھر ہے درآسماں
توسورج ہے بادل تیرا سایہ یاں
ملایک اہیں جیتے آسمان میں
رہیں رات دن سب تیرے دھیان میں
تو سلطان مصحف علم ہے ترا
بنیاں ہور ولیاں سب چشم ہے ترا
اول ہو رہا تھا دین اب ہور ہوا
محمد تے لو دین ور زور ہوا

ان تمام نعتیہ اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداحی اور فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اور زمین وآسمان پر ان کے اختیارات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں میں اعلیٰ وافضل ہیں آپ کی پیدائش نور سے ہوئی ہے اور آپ سراپا نور ہیں چودہ معصومین میں آپ سلطان اور علی آپ کے گھر کے پردھان ہیں۔حضرت عیسیٰؑ آپ کے راز کے بندے اور آپ حضرت نوحؑ کے جہاز سفینے کے کھویا ہیں۔آپ کا علم قرآن پاک ہے جو تمام صحائف کا مخرج ومخزن ہے۔اس نعت کے جتنے بھی اشعار ہیں ان میں بھی تقریباً آپ کی ان ہی فضیلتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا اعلان قرآن پاک کر رہا ہے اور تمام اہل اسلام بھی ان فضیلتوں کے معترف ہیں۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم شافع محشر ہیں اس حقیقت کا اعتراف وجہی نے بھی نعت کے ذیل اشعار میں کیا ہے۔

امیدوار ہے جگ تیرے پیار کا
کہ بخشا ئے توں پاپ سنسار کا
شفاعت کر نہار سب کا تمہیں
اچھے لاڈلا ایک رب کا تمہیں

اسی طرح نعت کے دوسرے حصے میں معراج نبوت کا ذکر ملتا ہے۔جس میں موضوع کی مناسبت سے وجہی نے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا ہے جس کی ساری گلاسری خود اوج پر ہے۔معراج کے حوالے سے اس مثنوی میں بہترین منظرنگاری موجود ہے۔مثال کے طور پر چند اشعار دیکھئے۔

صفت کروں معراج کی رات کا
کہ جا گیا اہے بخت تج بات کا
نبی آتے ہیں گر سنیں جب یو بات
سنوارن لگے نو انبر دھات دھات
جو جبریل تے پائے خوش خبر
بجانے لگے سب طبل عرش پر
نبی آج ہمارے یہاں آئیں گے
ہمیں سب انور کا دس پائیں گے
کہا تج خدا نے کیا ہے سلام
بلایا تجھے آج اپنے مقام
ملائک اچھلنے لگے ذوق سوں
سوحضرت کے دیدار کے شوق سوں
بڑی بات ہے آج معراج کی
مبارک اچھو رات تج آج کی
فرشتے یکا یک آٹھے دیک کر
خدا کے نبی کو وہ سب نیک کر
محمد کوں جس رات معراج ہوئی
نہ تھا دوسرا واں علی باج کوئی

یہاں مثال کے طور پر جن اشعار کو پیش کیا گیا ہے ان کو حسب ضرورت انتخاب کیا گیا۔طوالت کے سبب مثنوی کے دوسرے نکات کو نظرانداز کیا گیا ہے۔

دوسری مثنوی ابن نشاطی کی ''پھول بن'' 1066ھ 1655ء ہے جو نشاطی کی شہرت کا باعث ہے۔نشاطی عبداللہ قطب شاہ کے دور کا شاعر ہے۔اس نے بھی اس مثنوی میں حمد ونعت ومنقبت کا انتظام کیا ہے۔پھول بن میں نعت کے کل ۴۲/اشعار ہیں جن میں اخیر کے تیرہ (۱۳) اشعار منقبت کے ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صدق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عبادت کی طرف مدحیہ انداز میں اشارے کئے گئے ہیں بعض کتابوں کے حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس مثنوی میں کہیں کہیں کچھ اشعار نشاطی کے طرز پر بعد میں کہہ کر اس میں ملا دیئے گئے ہیں۔بہرحال مثنوی کی تحقیق اس مقالہ کا موضوع نہیں۔پھر اس کے بعد باقاعدہ طور پر حضرت علی امیرالمومنین کرم اللہ وجہہ کی مدح سرائی میں ۳۱/اشعار ملتے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت، نبی کے علمدار اور ان کی اکثر فوج کی سرداری، ذوالفقار اور ان کے علم وغیرہ کی مدح کی ہے۔نعت کے چند اشعار پیش ہیں۔

کہوں میں نعت سرور کا شفیع المذنبین برحق
کہ جس کے نور سوں پرتو کیا دوجگ کوں تابانی
کروں قلم بات ابتداء نعت
سجے حق کے پیغمبر کا ادا نعت
محمد پیشوا ہے سرداراں کا
اہے سرخیل سب پیغمبراں کا

محمد تو نبی ہے آج برحق
قمر کوں یک اشارات میں کیا شق
ہوا آدم پنج احمد کی خاطر
پیالہ جیوں کہ آیا مد کی خاطر
اگر ہوتا نہ تو آدم نہ ہوتا
نہ آدم بلکہ یہ عالم نہ ہوتا
شرف پایا ہے آدم تجھ طرف تے
ہوا موجود عالم تجھ طرفتے

نعت کے ابتدائی اشعار میں نشاطی نے وجہ تخلیق حضرت آدم علیہ السلام اور خلقت کائنات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ بتایا ہے جو خدا کے اس ارشاد کی ترجمانی کرتا ہے کہ "اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پیدا کرنا ہوتا تو میں آدم کو بھی نہ پیدا کرتا۔ میں نے ساری دنیا کو اپنے حبیب کے صدقہ میں ہی خلق کیا ہے۔ جس طرح سے پھلوں کے درختوں میں پتیاں، کلیاں، پھول پہلے آتے ہیں اور پھل بعد میں آتا ہے اسی طرح سے سارے رسول پہلے آئے اور ثمر رسالت سب سے بعد میں آیا۔ اس طرح رسول کے سب سے بعد میں آنے کی بہترین مثال نشاطی نے دی ہے وہ کہتا ہے۔

یوں آیا توں ہوئے پھر سارے مرسل
کہ پھول آگے پیچھے آتے آہے پھل

اس کے بعد آپ کے وسیلے سے بارگاہ خداوندی میں مناجات کی ہے۔ مناجات کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی ضیا کو بیان کرتے ہوئے جبرئیل اور معراج کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ کے معراج پر جانے کی وجہ سے عرش کو اپنے اوپر ناز ہے وہ کہتا ہے کہ۔

شب معراج ہے تجھ مہ سوں روشن
فلک کا سبز ہے تجھ شہ سوں گلشن
دیبا سو حال وو معراج کی رات
جگت کی عقل سوں پیلاڑ ہے بات
اسی تے عرش سب میں ہے بلند آج
جو تج نعلین کوں کیتا ہے سرتاج

جنوبی ہند کی ان دونوں مثنویوں میں واقعات شق القمر، معراج اور جبرئیل علیہ السلام کے ذکر میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وجہی کے طرز پر ابن نشاطی نے بھی نعت گوئی کی طرف توجہ دی ہو۔ جہاں تک مثنوی کی بحر اور الفاظ وغیرہ کا ذکر کیا جائے تو وجہی کی بحر میں سادگی اور الفاظ میں بے حد چاشنی ہے۔ قطب مشتری اور پھول بن میں وہی فرق ہے جو شمالی ہند کی سحر البیان اور گلزار نسیم میں۔ ایک میں سادگی ہے تو دوسری میں معنی کی پیچیدگی۔ لیکن نعتیہ شاعری میں دونوں شعراء کے جذبات وعقیدت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت میں سرشار ہیں۔

صنف مثنوی میں واقعات یا قصے کے بیان سے پہلے حمد ونعت ومنقبت سے کلام کی ابتداء کا یہ طریقہ غالباً دکن سے ہی شمالی ہند میں آیا اور پھر یہی کم وبیش ہر شعری سخن کا وطیرہ بن گیا۔ چنانچہ مثنوی، قصیدہ، مرثیہ کے علاوہ غزل اور مرثیہ وغیرہ یہاں تک کہ حالی کے مسدس میں بھی نعتیہ اشعار کا انتظام ملتا ہے۔

شمالی ہند کی شہرۂ آفاق مثنوی جو اپنی سادہ اور جادو بیانی اور پرکاری کی وجہ سے میر حسنؔ کے بقائے دوام کا سبب بنی۔ سحر البیان (1784ء) بھی قطب مشتری کی طرح چھوٹی بحر میں لکھی گئی ہے۔ اس کے بیانیہ کی تعریف خود میر حسن اس طرح کرتے ہیں "نہیں مثنوی ہے یہ اک پھل جھڑی مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی نئی طرز ہے اور نئی زبان۔ نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیان"۔

سحر البیان کی ابتداء بھی حمد خدائے باری تعالیٰ سے ہوتی ہے پھر نعت شروع ہوتی ہے "نعت حضرت رسالت پناہ کی" میں ۲۹ر نعتیہ اشعار ہیں اور اس کے بعد وجہی اور ابن نشاطی کی طرح میر حسنؔ نے بھی "منقبت حضرت امیر المومنین کی" لکھی ہے جس میں ۱۶ر اشعار مدح کے ہیں پھر خدا سے مناجات کی ہے۔ مناجات سے پہلے ۴ر اشعار تعریف اصحاب پاک رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے اور پھر مناجات کے ۱۴ر اشعار ہیں۔

میر حسن کا نعتیہ انداز بیان دکنی مثنویوں کے دونوں شعراء سے جدا ہے ان دونوں نے معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل امین علیہ السلام کا خصوصی ذکر کیا ہے مگر میر حسنؔ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم خاص طور سے علم لدنی اور ان کا کوئی ہم سر نہ ہونا یہاں تک کہ ان کے سائے کے نہ ہونے کی وجہ کو شاعرانہ انداز سے پیش کیا ہے۔ "نبی خیر المرسلین، رحمت للعالمین، خیر البشر اور سب نبیوں میں افضل ہیں۔ ان کے دعوی یہاں تک کہ سایہ کا نہ ہونے کی وجہ میر حسن بتاتے ہیں کہ ان کے سائے کو نبی کریم کے قدم سے جدا ہونا پسند نہیں وہ ان کی قدم بوسی سے الگ ہونا نہیں چاہتا۔ ان کے قدموں میں رہنا ہی اس کے لئے باعث فخر ہے اس لئے ان کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے سائے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہنے والوں اور عقیدت مندوں نے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا کر پتلیوں میں مانند نور بصر اٹھا کر چھپا رکھا ہے۔ اس لئے آپ کا سایہ نہیں ہے۔ نہ تو نبی جیسا کوئی ہے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ جیسا آپ کی ذات پاک میں دوئی کا خیال بھی نہ آنے پائے اس لئے اللہ نے آپ کا سایہ نہیں بنایا۔ سارے نبی ومرسلین علیہم السلام آپ کی بارگاہ رسالت میں صف بستہ ہوتے ہیں۔ جنوبی ہند کی دونوں مثنویوں میں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی وجہ خلقت نبی کا صدقہ تسلیم کرتی ہیں۔ میر حسنؔ دونوں مثنویوں کی نعت گوئی سے ایک قدم آگے نکل جاتے ہیں انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بزم پاک میں کئی اور انبیاء ومرسلین اور نبیین کو جلوہ افروز کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

کروں اس کے رتبے کا کیا میں بیاں
کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلاں
مسیح اس کی خرگاہ کا پارہ دوز
تجلی طور اس کی مشعل فروز
خلیل اس کے گلزار کا باغباں
سلیماں سے کئی مہردار اس کے ہاں
خضر اس کی سرکار کا آبدار
زرہ ساز دواود سے دس ہزار
محمد کے مانند جگ میں نہیں
ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں
یہ تھی رمز جو اس کے سایہ نہ تھا
کہ رنگ دوئی واں تک آیا نہ تھا
عجب کیا کہ اس گل کا سایہ نہ ہو
کہ تھا وہ گل قدرت حق کی بو
خوش آیا نہ سائے کو ہونا جدا
اسی نور حق کے رہا زیر پا

نہ ہونے کی سائے کی اک وجہ اور
مجھے خوب سوجھی یہ ہے شرط غور
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہل نظر
سمجھ مایۂ نور کحل البصر
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اٹھا
زمیں پر نہ سایہ کو گرنے دیا
وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں
اسی سے یہ کہ روشن ہے سارا جہاں

مثنوی کے اشعار جن میں نبیوں کے معجزات کا ذکر ہے اس میں بھی میر حسن نے ذومعنی، پیدا کئے ہیں ہر نبی سے وابستہ مخصوص معجزہ کو بھی اشعار میں مانند گہر پرو دیا ہے مثال کے طور پر چند شعر ملاحظہ ہوں۔

نبی کون ہیں یعنی رسول کریم
نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
سلیماں سے کئی مہر دار اس کے پاس
اور زرہ ساز داؤد سے دس ہزار
خلیل اس کے گلزار کا باغباں
خضر اس کی سرکار کا آبدار

اب جو شخص (خصوصی طور سے طالب علم) جو ان مثنویوں کو درس گاہوں میں پڑھ رہے ہیں وہ اگر حضرت خلیل کا آگ میں نمرود کے ذریعہ پھینکے جانے اور آگ کا گلزار میں تبدیل ہونے سلیمان کی انگوٹھی جو اسم اعظم لکھے ہونے کے سبب مہر کا کام کرتی تھی ان کی حکومت میں حضرت داؤد کے ہاتھوں پر لوہے کا پگھلنا اور موم ہو جانے اور ان کے زمانے میں لوہے کے کام کا فروغ حاصل کرنا، خضر علیہ السلام کی پانی پر حکومت ہونا اور سب سے بڑی بات یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دُرِ یتیم کہنا (اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی ولادت کا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہونا یعنی آپ کا پیدائشی یتیم ہونا، ان مخصوص معجزات سے (جو اس مثنوی کا طرۂ امتیاز ہے) واقف نہیں وہ ان اشعار سے کس طرح لطف اندوز اور علم حاصل کر سکتے ہیں اور نعت گوئی میں پنہاں ان معنی خیز نکات تک ان کی رسائی کہاں ہو سکتی ہے۔ نعت کے آخری تین شعر کو میر حسن نے منقبت کی تمہید کے طور پر استعمال کیا ہے۔ دکن کے ان دونوں شعراء نے بھی اسی طرح کے خیالات اپنی نعت میں پیش کئے ہیں جیسا کہ میر حسن نے۔ چند اشعار نعت کے آخری حصے سے ملاحظہ ہوں۔

نہیں ہمسر اس کا کوئی جز علی
کہ بھائی کا بھائی، وہی کا وہی
ہوئی جو نبوت نبی پر تمام
ہوئی نعمت اس کے وصی پر تمام
جہاں فیض سے ان کے ہے کام یاب
نبی آفتاب و علی ماہتاب

(یہاں بھی قرآن کی آیت کی طرف اشارہ ہے)

جہاں تک میرا خیال ہے کہ میر حسن نے اپنے پیش رو مثنوی نگار وجہی کے کلام سے بھی استفادہ کیا ہوگا کہ دونوں مثنویوں قطب مشتری اور سحر البیان کی بحروں اور قرأت (ردم) میں بھی کم و بیش مماثلت پائی جاتی ہے۔ میر حسن نے وجہی کی نعت گوئی میں شق القمر، معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل امین علیہ السلام اور نشاطی کی پھول بن میں بھی نعت میں جن فضیلتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے الگ اپنا راستہ نکالا۔ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم، قلم اور دوسری وجوہات کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور انبیاء پر فضیلت کا سبب اور سحر البیان کے نعتیہ حصے کا سرنامہ مقرر کیا۔ اگر میر حسن بھی اول الذکر معجزات کا ذکر کرتے تو عین ممکن ہے کہ لکھنؤ جیسے ادبی اور تہذیبی شہر میں ان کے اوپر بھی دکنی مثنویوں سے سرقہ کا الزام عائد ہو سکتا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میر حسن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات کا ذکر کیا جن کا ذکر وجہی اور ابن نشاطی نے نہیں کیا۔

مثنوی گلزار نسیم 1160ھ 1620ء دیا شنکر نسیم "اردو شاعری کے دبستان لکھنؤ کا اہم ترین" کارنامہ ہے۔ پھر بھی جانے کیا وجہ ہوئی کہ اس مثنوی میں حمد و نعت و منقبت اور مناجات سے متعلق صرف پانچ اشعار ہی ملتے ہیں۔ مثنوی کی ابتدا میں حمد کے صرف دو شعر ہی ہیں دو شعر نعت و منقبت کے۔ اور ایک شعر مناجات کے طور پر خواستگاری جناب باری میں پیش کیا گیا ہے۔

نسیم نے مثنوی کی شروعات میں طریقۂ قدیم سے مکمل طور پر انحراف کیا ہے اب اس کا جو بھی سبب رہا ہو یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نسیم کے مذہبی عقائد اور روایتی انداز کلام کی پیروی نہ کرنا ان کی نعتیہ شاعری کے درمیان حائل ہوئی ہوگی اور نسیم نے نئے طرز کی ایجاد کی ہوگی کہ چند اشعار کے بعد براہ راست مثنوی کے واقعات کی شروعات کی جائے۔ بہر حال یہ پانچ شعر جو اس ضمن میں کہے گئے ہیں وہ نسیم کی فکری بلندی کو آشکار کرتے ہیں۔ اگر وہ اس میدان میں بھی طبع آزمائی کرتے تو حمد و نعت و منقبت کے اعلیٰ نمونے درآمد ہوتے۔ یہ خیال ان کے ان اشعار کے پیش نظر شاعری کی کسوٹی پر کھرے اترتے۔ حمد کے دو شعر اس طرح ہیں:

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زبان سے یک سر
حمد حق و مدحت پیمبر

نعت و منقبت کے دو شعر:

پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
یعنی مطیع پنجتن ہے
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی
کرتا ہے زباں سے پیش دستی

مناجات: یا رب میرے خامے کو زباں دے
منقار ہزار داستاں دے

بے حد مختصر اشعار ہیں لیکن معنی آفرینی اور عقیدت سے پُر ہیں۔

ان مثنویوں کی نعتیہ شاعری کا تجزیہ کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زبان و الفاظ کے سلسلے میں دکنی مثنویوں پر مقامی بھاشائی رنگ خصوصی طور سے سنسکرت زبان کے الفاظ اور لب و لہجہ کا اثر ہے اور شمالی ہند کی مثنویوں پر فارسی زبان کے الفاظ اور دلی اور لکھنؤ کا لب و لہجہ سایہ فگن ہے۔ میر حسن کی مثنوی میں کہیں کہیں فارسی میں پورا پورا مصرعہ ملتا ہے۔ منظر نگاری میں سحر البیان اور جذبات نگاری میں قطب مشتری اپنی مثال آپ ہے۔ نعت گوئی میں وجہی نعتیہ شاعری کی معراج پر تو میر حسن نعت اور منقبت نگاری کی معراج پر نظر آتے ہیں۔ ابن نشاطی کے یہاں دونوں ہی چیزیں اوج کمال پر نظر آتی ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان مثنوی نگاروں نے حمد و نعت و منقبت نگاری میں ہر جگہ معرفت خداوندی اور عقیدت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پُر جوش طریقے سے مظاہرہ کیا ہے۔

اردو مثنویوں میں یہ چند مثنوی تھیں جن کی نعت گوئی کا محدود اور مختصر تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

□□□

ڈاکٹر منظور احمد گنائی

حسن پورہ باغ، اننت ناگ، کشمیر

6005903959

اردو نعتیہ شاعری: تاریخ و معیار

لفظ نعت عربی زبان سے مشتق ہے جس کے حقیقی معنی صفت وثنا، تعریف و توصیف وغیرہ مراد لی جاتی ہے۔ اردو کی دیگر اصناف سخن کی طرح نعت گوئی بھی ایک مشہور، آبرومند اور عظیم الشان منظوم صنف مانی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کے منظوم اظہار کو نعت کہا جاتا ہے۔ یعنی ہر وہ نظم جس میں بانیٔ اسلام کی ذات وصفات اور آپ کے متعلقات و منسلکات کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہو۔ عمومی طور پر نعت کی کوئی مقرر ہیت نہیں ہے یعنی نعت غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی وغیرہ غرض شعر وشاعری کی کسی بھی ساخت یا ہیت میں لکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ عام خیال یہ ہے کہ نعت کہنا دیگر اصناف کے مدمقابل قدرے آسان ہے، لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ فن نعت گوئی ایک نازک اور مشکل فن ہے کیوں کہ نعتیہ شاعری، مذہبی شاعری کی اولیات ومبادیات میں شمار کی جاتی ہے۔ جس کا براہ راست تعلق اسلامی احساسات، عشقِ رسولؐ اور صدق واخلاص سے ہے۔ اس میں داخلی اور خارجی کیفیات کے ساتھ ساتھ قرآنِ مقدس اور تعلیماتِ نبوی پر مکمل دسترس لازمی ہے۔ اس کا تعلق اس ذات مبارکہ سے ہے، جس نے صدیوں کی تاریک دنیا کو اسلام، انسانیت، تہذیب وآداب، بھائی چارہ، اخوت اور امن واشتی کی تعلیم سے منور کیا۔ کسی بھی شاعر کو نعت کی تخلیقی عمل کی تکمیل تک پہنچتے پہنچتے کٹھن اور دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑ رہا ہے تاکہ مکڑی کے وہ جالے شاعر کی گرفت میں آسکیں، جو ایک کامیاب نعت کا تقاضا کرتا ہے۔ شاعر کے لیے یہ بات لازم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کرتے وقت آداب شریعت بھی اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹیں اور آداب عشق مصطفیؐ بھی دل ودماغ پر حاوی رہے۔

نبی پاکؐ کی ذات مبارکہ کسی ایک قوم، قبیلے یا کسی ایک مذہب کے ماننے والوں کے لیے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام مخلوقات کے لیے باعث رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ آپ کو رحمۃ المسلمین نہیں بلکہ رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ آپؐ کی ذاتِ مبارکہ کے اندر شفقت ومحبت، صداقت، امانت داری اور دیگر تمام اوصافِ حمیدہ ودیعت کر دیے گئے ہیں۔ انہی وجوہات کی بناء پر غیر مسلم شعراء نے بھی انہیں اپنے کلام کے ذریعے بے انتہا خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ خالق لم یزل کی حمد وثنا ہو یا مدحتِ رسولؐ دونوں اصناف سخن میں مذہبی پہلو ضرور نکلتا ہے بلکہ یہ دونوں دین اسلام کے فرمانبردار بندوں کے لیے عبادت کے خاص درجے پر فائز ہے۔

نعت گوئی کا آغاز سب سے پہلے عربی زبان میں ہوئی۔ قرآن کریم میں بھی نبی رحمتؐ کی عظمت وحرمت کی طرف خوب اشارے ملتے ہیں۔ قرآن میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ورفعنا لک ذکرک۔ اسی الوہی تاکید بلیغ کے بعد سب سے پہلے نبی اکرمؐ کے چچا ابو طالب نے عربی زبان میں نعت گوئی کی شروعات کر کے خشتِ اول قائم کی ہے۔ اس کے بعد عربی کے مشہور شاعر حسان بن ثابتؓ نے سردار انبیاءؐ کے اسوہ حسنہ اور سیرتِ طیبہ کو اپنے نعتیہ کلام کا موضوع بنایا۔ عربی سے ہوتے ہوئے نعت گوئی کی یہ مقدس صنف فارسی ادب میں پہنچی جہاں فردوسیؔ، خاقانیؔ، عرفیؔ، قدوسیؔ، رومیؔ، جامیؔ، امیر خسروؔ وغیرہ جیسے عظیم المرتبت شعراء کی تلاش وجستجو نے ایسے نعتیہ ہیرے تراشے میں جو چیزے دیگر نظر آتی ہے۔ ان ہی شعراء کی دلی عقیدت ومعرفت نے پاکیزہ خیالات وافکار کو تخلیقی عمل کی تکمیل تک پہنچاتے ہوئے فارسی ادب میں قیمتی جواہر پاروں کا اضافہ کیا ہے۔ امیر خسرو برصغیر ہندو پاک کی وہ عظیم اور زندہ جاوید شخصیت ہے جنہوں نے اپنے ذہن وقلب کی اتھاہ گہرائیوں سے خاتم النبیینؐ کی ذاتِ مبارکہ کی مدح کی۔ ان کی نعت گوئی کا عالم یہ ہے کہ آج بھی ان کی نعتیں حال وقال اور محفل میلاد میں پڑھی اور سنی جاتی ہے۔ ان کا یہ شعر تو ضرب المثل کے طور پر ہر کسی کی زبان پر از بر ہے:

آفاق ہا گردیدہ ام مہر بتان ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

"اردو میں نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر اور قطب شاہی خاندان کا عظیم شاعر و بادشاہ سلطان محمد قلی قطب شاہ سے ہوتی ہے۔ جنہوں نے سترھویں صدی عیسوی میں نعت گوئی کو مستقل صنف کے طور پر برتا۔ ان کی کلیات میں میلاد النبیؐ پر چھ، بعثت نبیؐ پر پانچ، شبِ معراج کے ساتھ ساتھ پانچ نعتیہ غزلوں کے علاوہ نعتیہ رباعیاں بھی ملتی ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ولی دکنی نے نعتیہ کلام کہہ کر اردو نعت گوئی کی سفر میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا۔ ولی کے معاصرین میں کچھ کامیاب نعت گو گزرے ہیں جنہوں نے روحانی جذبے اور ذہنی قوت کو بروئے کار لا کر اپنا نعتیہ کلام پیش کیا۔ جنوبی ہند کے بعد شمالی ہند میں اردو نعت گوئی کی روایت ایک نئے آب وتاب کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ جہاں میرؔ وسوداؔ کا دور اردو شاعری کے لیے عہد زریں کہلایا جاتا ہے وہیں دوسری جانب انہوں نے نعت گوئی میں بھی کچھ کامیاب اضافے کر دیے ہیں۔"

جہاں تک اردو ادب میں نعت گوئی کا تعلق ہے اسے ہر عہد اور دور میں موضوع فکر بنایا گیا ہے۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں جہاں صوفیائے کرام نے نمایاں کردار ادا کیا ہے وہیں انھوں نے لوگوں کی رشد و ہدایت، تبلیغ و نصیحت کے لیے گاہے گاہے نعتیہ کلام کا سہارا لیا۔ گویا صوفیائے کرام اردو زبان کے ان معماران اول کی حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے اپنے دلی احساسات و جذبات کو لطیف پیرائے میں مقامی زبانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کی خاطر خلوص نیت کے ساتھ نعتیں کہیں۔ ہندوستانی صوفیوں نے جب اپنے کردار و اخلاق اور محبت بھری تعلیمات سے ہندوستانیوں کو متاثر کیا تو رسول اللہؐ کی شخصیت خود بخود مثالی بن گئی بقول کرشن بہاری نورؔ:

ایمان اسی کو کہتے ہیں اے اہل ہند
ایک اجنبی کی بات پہ سب کو یقین ہے

یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی دیگر اصنافِ سخن کی طرح نعت گوئی کی شروعات بھی جنوبی ہند میں ہی ہوئی۔ اس کی واضح مثالیں قدیم اردو مثنویوں اور دیگر ادبی و مذہبی نگارشات کی شکل میں ملتی ہیں۔ ان مثنویوں میں اگرچہ نعت گوئی کا دھندلا سا عکس ضرور ہے لیکن آگے چل کر ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اردو کے ماہر لسانیات پروفیسر عبدالستار دلوی نے نعت گوئی کی ابتداء اور تاریخ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کی ہے:

”اردو ادب میں دکنی عہد کی قدیم ترین مثنویوں میں نعت گوئی کا رواج پایا جاتا ہے۔ نویں صدی ہجری یا پندرھویں صدی عیسوی میں فخرالدین نظامی بیدری نے اپنی مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' میں نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ دسویں صدی ہجری یا سولھویں صدی عیسوی میں گجرات کے مشہور صوفی شاعر خوب محمد چشتی نے خوب ترنگ اور اس کی شرح 'امواج خابی' تصنیف کی۔ اس کے بعد مثنویوں میں حمد کے ساتھ ساتھ نعت اور منقبت لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ گیارھویں صدی ہجری میں ملا وجہی اور ملا نصرتی کے علاوہ بھی شعراء نے نعت نگاری پر قلم اٹھایا۔ یہ سلسلہ عہد قدیم سے انیسویں صدی کے اواخر تک جاری رہا اور تقریباً ہر شاعر نے چاہے وہ غزل گو رہا ہو، چاہے مثنوی نگار نعت گوئی کے دلکش نمونے یادگار چھوڑے ہیں۔“

(دیباچہ قصیدہ بردہ، از سید عبدالفتاح اشرف علی گلشن آبادی، ص:۱)

ویسے تو اردو میں نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر اور قطب شاہی خاندان کا عظیم شاعر و بادشاہ سلطان محمد قلی قطب شاہ سے ہوتی ہے۔ جنہوں نے سترھویں صدی عیسوی میں نعت گوئی کو مستقل صنف کے طور پر برتا۔ ان کی کلیات میں میلاد النبیؐ پر چھ، بعثت نبیؐ پر پانچ، شب معراج کے ساتھ ساتھ پانچ نعتیہ غزلوں کے علاوہ نعتیہ رباعیاں بھی ملتی ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ولیؔ دکنی نے نعتیہ کلام کہہ کر اردو نعت گوئی کی سفر میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا۔ ولیؔ کے معاصرین میں کچھ کامیاب نعت گو گزرے ہیں جنہوں نے روحانی جذبے اور ذہنی قوت کو بروئے کار لا کر اپنا نعتیہ کلام پیش کیا۔

جنوبی ہند کے بعد شمالی ہند میں اردو نعت گوئی کی روایت ایک نئے آب و تاب کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ جہاں میرؔ و سوداؔ کا دور اردو شاعری کے لیے عہد زریں کہلایا جاتا ہے وہیں دوسری جانب انہوں نے نعت گوئی میں بھی کچھ کامیاب اضافے کر دیے ہیں۔ میر تقی میرؔ اردو غزل کے خدائے سخن کہلانے لگیں اور سوداؔ اردو قصیدے کے بادشاہ بنیں۔ لیکن اس کے علاوہ انہوں نے اردو نعت گوئی میں بانئ اسلام کی تعلیمات اور اخلاقی پاسداری کو ملحوظ رکھ کر نعت نبیؐ کو بڑی ہنرمندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان دونوں شعراء نے نعتیہ شاعری کی روایت کو فن اور معیار کے اعتبار سے فروغ دیا جو آگے چل کر دیگر شعراء کے لیے مشعل راہ کا کام کرتا گیا۔ سوداؔ نے حضور اکرمؐ کی بعثت اور اسلامی تعلیمات کے متعلق قرآن و حدیث کے الفاظ کا بکثرت استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے عربی الفاظ و کلمات کے استعمال سے نمونہ نعت کو حقیقی نعت کا درجہ عطا کیا ہے:

”سوداؔ نے حضور اکرمؐ کی تعریف میں آپؐ کا مختلف صفاتی ناموں، باعث ایجاد عالم، علت غائی افلاک، عالم علم الٰہی، مشہر عالم غیب، راز دار حق، عادل، کامل، عاقل، شفیع المذنبین اور فخرِ انبیاء سے یاد کیا ہے۔ ان اسمائے رسول مقبولؐ میں کچھ نام احادیث سے منصوص ہیں۔ دوسرے سوداؔ کے جودتِ فن اور تراکیب سازی کا نادر نمونہ، شمالی ہند میں حضورؐ کے اسمائے مبارک کو تخلیق نعت کا جزو بنانے کا اولین جذبہ سوداؔ کے اسی نمونہ نعت میں ملتا ہے۔“[۲]

(اردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر مختار احمد، ص: ۳۰۴)

دبستانِ دلّی کے نمائندہ غزل گو شعراء میں حکیم مومن خان مومنؔ نے نعتیہ قصیدہ لکھ کر اردو میں نعت کے سرمایے میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے غزلوں کے ساتھ ساتھ حمد و منقبت میں بھی نعتیں لکھیں۔ مومنؔ کے ہمعصروں میں غالبؔ اور دیگر شعراء کے مقابلے میں مومنؔ کا مختصر سا اثاثۂ نعت وقیع اور قابل قدر ہے۔ مومنؔ کے نعتیہ قصیدے کا نام ”زمزمہ سنجی مطبع بہ مضمون بادخوانی نسیمِ گلشن نبوت و شمال چمن رسالتؐ“ ہے۔ مومن نے اس قصیدے میں ایسے تراکیب اور اصطلاحات کا استعمال کیا ہے، کہ عام قابلیت کے لوگ قصیدے کے مطالب و مفہوم سے نابلد رہتے ہیں۔ ان ہی مختلف علوم و فنون کے نادر اصطلاحات کے سبب قصیدے میں شعریت کی جگہ علمیت نے لے لی ہے۔ ڈاکٹر محمود الٰہیؔ مومنؔ کے نعتیہ کلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دینی اصطلاحات، علمیت اور بلاغت کے لحاظ سے مومنؔ کا درجہ بلند ہے۔ جہاں وہ اپنی ہمہ دانی کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں۔ ذوقؔ کی علمیت کے قریب پہنچ جاتے ہیں اور زور بیان و برجستگی میں سوداؔ کے ہمدوش ہو جاتے ہیں۔ مانوس، خردس کی زمین میں جو قصیدہ ہے، وہ مومنؔ کی بے پناہ علمیت کی دلیل ہے۔“[۳]

(اردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر مختار احمد، ص: ۳۱۰)

اردو نعت گوئی میں دورِ تشکیل کی روایت سوداؔ و مومنؔ سے چل کر امیرؔ، داغؔ اور محسنؔ تک پہنچ کر تکمیل فن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ ان تینوں شعراء نے نعت گوئی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ امیرؔ مینائی کے سارے کلام میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ 'محمد خاتم النبیینؐ' ہے جو ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ ان کے کلام میں جذب و کیف، پیار و محبت، روحانیت اور رواداری کے ساتھ ساتھ نبی اکرمؐ اور دیگر اہلِ بیت کی شان میں زبردست خراج عقیدت اردو ادب میں شاذ و نادر ہی مل جاتا ہے۔

اردو نعت گوئی میں محسنؔ کاکوروی کا نام سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ جنہیں اردو ادب میں نعتیہ قصیدہ گو کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اردو زبان کے ذریعے رسول مآبؐ کے دربار میں خلوص و محبت کے ساتھ والہانہ اظہار کیا ہے۔ ان کے مطابق نبی کریمؐ کی محبت دل و روح کے لیے تسکین بخش ثابت ہو جاتا ہے اور اسی محبت قلبی کو ہمیشہ قائم رکھنے کی خواہش کا اظہار اپنے کلام میں خوب

کرتے ہیں۔ محسنؔ نے اردو نعت میں ہندوستانی رنگ وروپ اور یہاں کی سرزمین میں شامل پیارومحبت، روحانیت اور رواداری کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوائی وہندوستانی تلمیحات کے ذریعے نعت کا رشتہ ملک وقوم کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ محسنؔ کاکوروی نے زندگی کا بیشتر حصہ نعتیہ کلام لکھنے میں صرف کیا۔ جس کی واضح مثال ان کی مثنوی 'صبح تجلی'، 'چراغِ کعبہ' کے علاوہ 'قصیدہ مدیح خیر المرسلین' کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ ان کا نعتیہ کلام پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے محسنؔ نعتیہ شاعری کو بام عروج تک پہنچانے کے لیے شاعری اس میں فطرتاً ودیعت کردی گئی تھی۔ اسی لیے شاید وباید ان کے بارے میں یہ درست فرمایا گیا ہے کہ:

"نعت گوئی تو سب کے لیے ہے لیکن محسنؔ کاکوروی نعت گوئی کے لیے ہیں"

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ محسنؔ کاکوروی شاید نعت گوئی کے لیے پیدا ہوئے۔ اس کی واضح مثال ان اشعار کے ذریعے ذہن نشین ہو جاتی ہے جہاں محسنؔ اپنے حقیقی مالک سے دست بدعا ہے کہ میری زندگی کا ہر پل مدحت رسولؐ کرتے کرتے گزرنا چاہیے جسے میں اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھتا ہوں۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

سمت ، کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل
آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تادم مرگ
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
صف محشر میں تیرے ساتھ ہو تیرا مداح
ہاتھ میں ہو لیے مستانہ قصیدہ یہ غزل

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے "لکھنو کا دبستانِ شاعری" میں اس بات کو کافی سراہا ہے کہ لکھنوی شاعری کے بنیادی عناصر میں خارجیت، نسائیت اور ابتذال کی جہاں کارفرمائی ہے وہیں محسنؔ نے ایسے ماحول اور شاعری پس منظر سے نبرد آزما ہو کر نعت گوئی کو ایسے عناصر سے پاک کیا ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے علاوہ ڈاکٹر اشفاق احمد نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ محسنؔ نے لکھنوی شاعری کے معائب کو دور کیا ہے:

"اس لحاظ سے محسنؔ ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے لکھنوی ماحول کے اس بگاڑ میں اصلاح کی بہترین راہیں پیدا کیں۔ نہ صرف لکھنو کے محاسن کے کھوٹ کو دور کیا بلکہ انہیں اور چار چاند لگا دیے۔۔۔۔۔۔ محسنؔ نے زبان کے اعجاز کو ایک ایسے موضوع کے لیے وقف کر دیا جو خود سراپا اعجاز ہے۔"[۴]

(اردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر مختار احمد، ص: ۳۶۴۔۳۶۵)

اردو کے مشہور ومعروف شاعر، ناقد اور سوانح نگار مولانا الطاف حسین حالیؔ نے بھی نعتیہ کلام کے ذریعے اپنے محبوب دوعالم کو قلب سلیم سے خراج عقیدت پیش کی ہے۔ انہوں نے اردو ادب میں ایسی شاہکار نظم تصنیف کیں جسے ادبی دنیا میں کافی شہرت نصیب ہوئی۔ اس نظم میں انہوں نے امت مسلمہ کی رشد وہدایت اور اصلاح وبیداری کے لیے نعتیہ کلام کا سہارا لیا ہے۔ مسدسِ مدوجزر اسلام جسے حالیؔ کا عہد آفریں کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں اسلام کے عروج وزوال اور گزشتہ اقوام کی گزشتہ حالت پر تفصیل کے ساتھ مسلمانوں کو بیدار کرنے اور زندگی میں ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے خوب اشارے دیے گئے ہیں۔ انہوں نے آپؐ کی ولادت اور اخلاق فاضلہ پر جو اشعار لکھے ہیں وہ زبان زدخاص وعام ہیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبالؔ نے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے:

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

علامہ اقبالؔ کا سارا کلام اگرچہ مدحت رسولؐ کا موثر اظہار ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے سارے کلام پر اسلامی روح پھونکنے کی خوب کوشش کی ہے۔ گویا اقبالؔ ملت اسلامیہ میں نشات الثانیہ کی علامت بن گئے ہیں۔ اس دور کے دوسرے نعت گو شعراء میں یوں تو بہت سے نام ذہن میں آتے ہیں لیکن مولانا ظفر علی خان، احمد رضا خان بریلوی اور شاہ نیاز بریلوی وغیرہ ان میں بہت اہم ہیں۔ احمد رضا خان بریلوی نبی پاکؐ کی ذات وصفات اور حیات وسیرت کو کیفیتِ عشق سے ملا کر ایک نیا رنگ عطا کرنے میں کامیاب نظر آرہے ہیں۔ ان کا دیوان "حدائقِ بخشش" تین حصوں میں شائع ہو کر وابستگانِ رسولؐ کے ذہن وقلب میں شمع محبت، انسانیت اور برادرانہ مساوات کی عقیدت روشن کر چکا ہے۔ ان کا سلام کچھ اس طرح ہے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

اس کے علاوہ جن شعراء نے نعت گوئی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، ان میں امجد حیدرآبادی، سہیل اقبال، حفیظ جالندھری، احمد سہارنپوری، بہزاد لکھنوی کے علاوہ ماہر القادری کے نام نمایاں اور ممتاز ہیں۔

آج کل نعت میں فکر کی نئی شمعیں روشن ہو رہے ہیں۔ ہمارے عہد میں نعتیہ کلام کے متواتر مجموعے اس بات کے گواہ ہیں کہ جدید روایات کے یہ علمبردار موضوعات کی تنوع کے ساتھ ساتھ الفاظ، تراکیب اور تشبیہات کا نیا نظام قائم ودائم کرکے نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"دنیا کی ان ساری زبانوں میں جن میں نعت گوئی کا عام رواج ہے۔ نعت گوئی کا تعلق اظہار عقیدت سے بھی ہے اور عشق رسولؐ سے بھی۔ چودہ سو سال سے شاعروں نے مدحت رسولؐ کے نئے نئے اور اچھوتے پہلو تلاش کیے ہیں اور اپنے دلی جذبات کا گہری عقیدت اور سرشاری کے ساتھ اظہار کیا ہے۔ نیز اس پہلو کو اجاگر کیا ہے کہ کس طرح تعمیر حیات اور انسانیت میں حضورؐ کا اسوہ حسنہ اور تعلیمات معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔"[۵]

(ادب، کلچر اور مسائل از ڈاکٹر جمیل جالبی، ص: ۱۴۶)

یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا بے حد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو نعت گوئی میں جہاں مسلم شعراء نے اپنی دلی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے وہیں غیر مسلم شعراء نے بھی مدحت رسولؐ کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔ اس ضمن میں غیر مسلم شعراء نے نعتِ رسولؐ کا دفتر قائم کیا ہے۔

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

غیر مسلم شعراء میں سب سے پہلے منشی شنکر لال ساقیؔ کا نام آتا ہے جنہوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں نعتیہ کلام لکھ کر نبی کریمؐ سے اپنی والہانہ وابستگی، خلوص ومحبت اور عقیدت کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے:

میں اگر خاک نشین درِ احمدؐ ہوں
رفعت عرش کی ہمسری مری بستی ہوگی
نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے
کیا مری ان کے مداح خوانوں میں ہستی ہوگی

اس کے علاوہ پنڈت ہری چند اخترؔ، مہاراجہ سرکشن پرسادؔ، دلورام کوثریؔ، سرور جہاں آبادی، تلوک چند محرومؔ اور کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ وغیرہ نے اپنے اپنے نعتیہ کلام میں نبی کریمؐ اور اہل بیت کی شان میں عمدہ خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ متذکرہ شعراء میں کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ نبی رحمتؐ کی دلی وابستگی کو دل وروح کی تسکین سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس دلی عقیدت واحترام کو ہمیشہ قائم رکھنے کی خواہش کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:

ہم کسی دین سے ہوں صاحبِ کردار تو ہیں
جیسے بھی ہیں ثنا خوانِ شہہ ابرار تو ہیں
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

غرض غیر مسلم شعراء کی زندگی پر کسی خاص مذہب ومسلک کی چھاپ نہیں تھی بلکہ انھوں نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دیگر اصناف کی طرح نعت گوئی کے ذریعے محبوب خدا کی عظمت جاوید زمانہ قدیم سے لے کر عصر رواں میں بھی جاری وساری رکھی ہے۔ بلکہ وہ تمام مذاہب کے بنیادی عقائد کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی زندگی کی ڈگر پر رواں دواں ہیں۔ اس لیے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں، کہ غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام جذب وشوق اور حب رسول اللہؐ سے ہمیشہ لبریز نظر آتا ہے۔

بہرحال وقت اور زمانے کی تغیر وتبدل سے نعت گوئی کی مقبولیت بھی مسلسل بڑھ رہی ہے۔ عام طور پر جلسوں اور تقریبوں میں تلاوت کلام پاک کے بعد نعت رسولؐ پیش کی جاتی ہے۔ سرکاری طور پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے نعتیہ مشاعرے اور کلام نشر کیے جاتے ہیں۔ ایسے نشریات کے ذریعے اس بات کی غمازی کی جاتی ہے کہ دورِ حاضر میں بھی شعراء اپنے قلبی اور ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر شفیع المذنبینؐ کی سیرت نگاری پر اپنے نعتیہ کلام کی عمارت استوار کر رہے ہیں۔ بلکہ نعت گوئی میں اپنے اپنے طور پر معنویت اور جدت پیدا کرنے میں محنت شاقہ کر رہے ہیں۔ سرکار دوعالمؐ کی شان میں نعتیہ کلام کہنے سے انسانی فکر کے ساتھ ساتھ جدید میلانات ورجحانات کی عکاسی بھی ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے عہد کی نعت گوئی جہاں عصری حسیت کی آئینہ دار ہے وہیں دوسری جانب نسل نو کی فکری اور دلی عقیدت بھی ظاہر ہو جاتی ہے جو وابستگانِ رسولؐ کی ذات مبارکہ سے وابستہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نئی نسل کے مستقبل کو پروان چڑھانے میں دلکش فکر ونظر کے پھول بھی کھلاتی ہیں۔ نعت گوئی قلب سکون کے ساتھ ساتھ باہمی انس ومحبت، لطافتوں اور ندرتوں سے مزین ذہن ودل کے دریچے وا کر دیتی ہے۔ بہر کیف اردو کی دیگر اصناف کی طرح نعت گوئی کا یہ ذوق وشوق نئی نسل کے شعراء اور قارئین میں دن دونا رات چوگنا پروان چڑھ رہا ہے۔ یعنی یہ کہنا کافی ہے کہ نعت گوئی کا مستقبل روشن اور تابناک ہے۔

□□□

نعت

بارگاہِ قدس میں سب کو برابر دیکھ کر
آدمیت جھوم جھوم اٹھی یہ منظر دیکھ کر

آج تک غارِ حرا کی ہیں وہی ضوباریاں
اس طرح چمکا تھا انوارِ پیمبر دیکھ کر

پیکرِ اخلاق کی لائے گی دنیا کیا مثال
آپؐ دیتے ہیں دعا قاتل کو خنجر دیکھ کر

ظلمتیں چھٹتی رہیں باطل کے سر جھکتے رہے
نورِ فانوسِ حقیقت آپ کا در دیکھ کر

پردۂ اسرار اٹھتا ہے شب معراج میں
آپ کی چشم میں اللہ اکبر دیکھ کر

سایۂ بخشش کے طالب ہوں گے سارے امتی
حشر کے دن رحمت عالم کی چادر دیکھ کر

عرض کرنا قافلے والوں کچھ احوالِ عزیزؔ
جا رہے ہو اس کی آنکھوں میں سمندر دیکھ کر

ڈاکٹر عزیز خیرآبادی
گل برگ منزل، کالا پیادہ، خیرآبادی اودھ (سیتاپور) یوپی
9450901344

شاہد کمال

معاون ماہنامہ 'نیا دور' لکھنؤ

9839346181

جناب ابوطالبؑ بحیثیت نعت گو

جناب ابوطالب علیہ السلام کا نام "عبد مناف" یا "عمران" تھا۔ آپ اپنے اصل نام کے بجائے اپنی کنیت "ابوطالب" سے زیادہ مشہور و مقبول ہوئے۔ حالانکہ انھیں سید العرب، شیخ البطحا، رئیس مکہ اور شیخ الاباطح کے القاب سے بھی جانا جاتا ہے۔

جناب ابوطالبؑ کا رشتہ ازدواج (۵۶۸ عیسوی) میں ان کی چچیری بہن جناب فاطمہ بنت اسد سے ہوا۔ یہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد محترم جناب عبداللہ کی رشتہ میں چچیری بہن ہوتی تھیں۔ اس سلسلہ سے آپ جناب نبی اکرمؐ کی رشتہ میں پھوپھی ہوئیں۔ جناب فاطمہ بنت اسد انتہائی سلیقہ شعار، نرم دل، پاکیزہ نفوس اور باعفت خاتون تھیں۔ آپ نے مخزن وحی الہیٰ، وجہ تخلیق کائنات فخر موجودات یتیم عبداللہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پرورش و پرداخت بے انتہا محبت اور دلجوئی کے ساتھ اپنی آغوش رحمت و رافت میں فرمائی۔ آپ نے محمدؐ کے بچپن میں انؐ کی ذات سے ظہور کرنے والے معجزہ کا مشاہدہ کیا۔

جناب ابوطالب علیہ السلام نے جناب رسولؐ خدا کی کفالت میں از سرمو انحراف و انصراف سے کام نہیں لیا۔ بلکہ کفار مشرکین کی معاندت اور مخاصمت کا کھل کر مقابلہ کیا۔ جس کی وجہ سے عرب کے کفار و مشرکین جناب ابوطالبؑ سے تادم آخر درپہ آزار رہے۔ لیکن آپ نے اس کی قطعی پرواہ نہیں کی۔ آپ نے پیغمبر خداؐ کی محافظت و محاصنت کے لئے روز مرہ نئے اقدام اور تدابیر سے کام لیتے رہے۔ تاکہ اللہ کے رسول کو کسی طرح کا کوئی گزند نہ پہونچے، یہی وجہ تھی کی جب رات ہوتی تو نصف شب گزر جانے کے بعد رسول خدا کے بستر پر اپنے چھوٹے بیٹے علیؑ کو سلا دیتے۔ اس خوف سے کہیں مشرکین مکہ نیند کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اللہ کے رسول کو قتل نہ کر دیں۔ یعنی جناب ابوطالبؑ نے رسول خدا کی حفاظت کے لئے اپنے بیٹے کی بھی جان کی پرواہ نہیں کی ایسی خدمت گزاری اور جانثاری کی مثال پوری تاریخ آدم و عالم میں اور کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ مسلمانوں کے جید عالم دین جناب شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی حضرت محمد مصطفی کی کفالت کے سلسلے میں جناب ابوطالبؑ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

"ابوطالب که عم اعیانی آنحضرت بود در عهده کفالت آنحضرت در آورده و اگر زبیر بن عبدالمطلب نیز اعیانی آنحضرت بود، لیکن میان عبدالله و ابوطالب زیادت محبت و ارتباط بود۔"

"حضرت ابوطالبؑ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حقیقی چچا تھے، اسی وجہ سے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنی کفالت میں لیا، حالانکہ جناب زبیر رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت کے سگے چچا تھے لیکن جناب عبداللہ اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہما کے درمیان آپسی محبت بہت زیادہ تھی۔"

جناب ابوطالب علیہ السلام نے محمدؐ پروری کی ایک ایسی مثال قائم کی جس کی نظیر پورے کائنات میں نہیں ملتی: انھوں نے اپنی زندگی کی تمام آسائشیں اور سہولتیں محمدؐ کے چشم و ابرو کے اشارے پر نچھاور کر دی اور زندگی کے ہر شدائد و آلام کا بوجھ اپنے بھتیجے محمدؐ کے ہونٹوں پر طلوع ہونے والے ایک تبسم کے عوض مسکرا کر اٹھالیا۔

جناب ابوطالبؑ نے اپنے زندگی کے ۴۲ سال تک اپنے بھتیجے محمدؐ کی مدد فرمائی، جس کی وجہ سے عرب کے تمام مشرکین و کفار کے اکابرین، روسا و امراء سے دشمنیاں مول لیں، جس کی وجہ سے انھیں اعصاب شکن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اور زندگی بھر سماجی و اقتصادی مسائل سے جوجھتے رہے۔ جب آپ کی زندگی کا آخری وقت آیا تو آپ نے سرداران قریش کو اپنے پاس بلا بھیجا اور اپنے بیٹوں اور افراد خانوادہ کو وصیتیں فرمائیں، جس میں اپنے بھتیجے محمدؐ سے وفادار رہنے اور ان کی فرمانبرداری کے بارے میں تلقین فرمائی۔

"آنا أوصیکم بمحمدٍ خیراً فانّه الامین فی قریش و الصدیق فی العرب، وهو جامع لکلّ ما أوصیکم به، وَقد جاءَ بِأمرٍ قبله الجنان و انکره اللّسان مُخافةَ الشَّنان آیم الله کانّی أنظرُ الی معالیك العرب و اهل البرّ فی الاطرافِ و المستضعفین من النّاس قد اجابُوا دعوَته و صدقوا کَلِمتَهٗ اعظمُوا أمرهٗ۔"

"جناب ابوطالبؑ کی نگہداشت اور آغوش تربیت میں عبداللہ کے یتیم فرزند کے شب و روز گزرتے رہے۔ جب آپ کے بچپن نے عنفوان شباب کی منزلوں میں قدم رکھا، تو جس الہیٰ مقدرات اور خدائی منشور کے نفاذ کے لئے اللہ نے آپ کو منتخب فرمایا تھا۔ جب اسے عبداللہ کے یتیم فرزند محمدؐ نے جناب ابوطالب کے طاقت و ر بازوؤں کے حصار میں فاران کی چوٹیوں سے کلمہ لاالہ اللہ کی آواز بلند کی تو عرب کے تہذیبی روایت کے بتکدوں میں ہزاروں برس سے متمکن خود ساختہ خداؤں کی پیشانیاں بے ساختہ زمیں بوس ہوگئیں اور 'لا الہ الا اللہ' کی اس ہیبت آمیز اور جلالت انگیز صدا نے مشرکین و کفار کے قبائلی خداؤں کے ٹھیکیداروں کے حواس باختہ کر دیئے اور اس اسلامی انقلاب کی آہٹ سے عرب کے سرداروں کی نیندیں اڑ گئیں۔ پھر کفار و مشرکین کے تمام سربرآوردہ افراد باہمی مشورت سے اس آواز کو خاموش کرنے کی مختلف تدابیر کرنے لگے۔"

"میں (ابوطالبؑ) تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم محمدؐ کے ساتھ بھلائی کرنا، آپ (محمدؐ) تمام قریش میں سب سے امین اور عرب میں صدیق ہیں، اور جن اخلاق حمیدہ و اوصاف جمیلہ کی میں آپ لوگوں سے وصیت کرتا ہوں، وہ سب ان کی ذات میں مجتمع ہیں، آپ (محمدؐ) وہ دین لے کر آئیں ہیں جس کو دل قبول کرتے ہیں، البتہ لوگوں کی زبانیں عداوت کے ڈر سے انکار کرتی ہیں۔
بخدا قسم! میں (ابوطالبؑ) دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے احتیاج مند لوگ اور بادیہ نشیں اور کمزور طبقہ کے افراد سب آپ کی دعوت قبول کرتے ہیں، آپ کا کلمہ دل سے پڑھتے اور مانتے ہیں، اور آپ کے حکم کی تعظیم کرتے ہیں۔"

پھر آپ (ابوطالبؑ) جناب عبدالمطلب کی اولاد سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

"لَن تزالوا بخیرٍ ما سمعتم من محمّدٍ وَمَا اتّبعتم امرہٗ"
"جب تک تم لوگ محمد مصطفیٰؐ کی بات پر کان دھرتے رہو گے اور جب تک تم ان کا اتباع کرتے رہو گے خیر و برکت سے ہمکنار ہوتے رہو گے۔ "فاتّبعوہُ وَاَعینوہُ تَرشُدُوا" اے بنی عبدالمطلب تم محمدؐ کا اتباع کرو اور ان کی مدد کرتے رہو تا کہ تم فلاح و ہدایت پاؤ۔"

(طبقات ابن سعد، بحوالہ سیرت امیرالمومنین جلد ا صفحہ ۱۰۷)

اس کے بعد آپ نے ابدالآباد کے لئے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

آپ کی وفات سے متعلق مرزبانی نے لکھا ہے کہ آپ کا انتقال سن ۱۰ ہجری میں ہوئی، لیکن ابی سعد نے واقدی سے روایت کی ہے کہ آپ (ابوطالبؑ) کی وفات ۱۵ ر شوال اور بعض روایتوں میں ذی قعدہ کا مہینہ کے ذکر ہوا ہے۔"۱۹۲۵ عیسوی تک آپ کی قبر اطہر پر ایک خوبصورت گنبد بھی تعمیر تھا۔

(انسائیکلوپیڈیا "اردو" جلد ا دائرۃ المعارف الاسلامیہ دانشگاہ پنجاب لاہور، ۸۳ ۱۳ھ ر ۱۹۶۴ ص ۸۳۶)

جناب ابوطالبؑ کے نعتیہ دیوان میں سیکڑوں ایسے شعر ہیں جو اسلامی اقدار اور رسول خدا کا مقام و مرتبہ، ان کی عظمت و بزرگی اور منصب نبوت جیسے بلند مدارج کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ جناب ابوطالبؑ نے رسول خدا کی شان میں جو نعتیہ اشعار قصائد کی شکل میں کہے تھے اس کے سیکڑوں دواوین و تراجم مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ جناب ابوطالب کے دیوان کا ایک قدیم نسخہ "دیوان ابوطالب" کے نام سے اپنے زمانے کے مشہور محقق اور عالم دین "ابی ہفان عبداللہ بن احمد المھزمی" نے ۲۵۷ھ میں مرتب کیا تھا۔ جس کے حاشیہ پر شیخ ابوالحسن علی ابن ابی مجد واسطی کے حوالے سے یہ واقعہ نقل ہوا ہے کہ۔

"شیخ ابوالحسن واسطی رمضان المبارک کے مہینے کی مقدس راتوں میں جناب ابوطالبؑ کے ان اشعار کی تدوین فرما رہے تھے جو انھوں نے جناب رسول خداؐ کی شان میں کہے تھے۔ آپ (شیخ ابوالحسن واسطی) ایک رات اس شعر کی "بکف الذی قام فی جنبہ الی الصابر الصادق المتقی" تدوین سے فارغ ہونے کے بعد سو گئے، آپ خواب میں رسول اکرم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نبی معظم مسند نور پر جلوہ افروز ہیں اور ان کے پہلو میں ایک نورانی شخص تشریف فرما ہیں۔ میں نے حضور اکرم کو سلام کیا انھوں نے سلام جواب دیا۔ پھر آقائے نامدار نے اپنے ہاتھوں سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے "تایا" کو بھی سلام کرو۔ میں نے بدست ادب عرض کیا کون سے "تایا"؟ پھر آپ گویا ہوئے کہ ابوطالبؑ۔ میں نے ان کے قریب سبقت کی اور درخواست گزار ہوا کہ۔

"یا عم رسول اللہ انّی اروی ابیاتک ھذہ القافیۃ واحبّ اَن تُسمعھا منّی۔"

اے عم رسول خدا! میں آپ کے اشعار کی تدوین کر رہا ہوں میری خواہش ہے کہ یہ آپ کے گوش گزار کئے جائیں۔ آپ نے فرمایا "ھاتِھا"۔ سناؤ: میں نے نقل شدہ شعر۔ "الی الصّائن الصّادق المتقی"۔ کہہ کر شعر سنایا تو آپ نے ارشاد فرمایا میں نے جو شعر کہا تھا اس لفظ "صابر" (صبر کرنے والا) تھا نہ کہ لفظ "صائن" (نگہبان) پھر آپ نے اس کی تصحیح یوں فرمائی۔ "الی الصّابِر الصّادق المتقی" اس طرح سے آپ نے اپنے شعر کی اصلاح فرمائی۔

جناب ابوطالب علیہ السلام عرب کے جملہ علوم و فنون میں مکمل دسترس رکھتے تھے، خاص طور سے خطابت اور شاعری میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی شاعری کا ایک دیوان جس کا نام "دیوان شیخ الاباطح ابی طالب" ہے۔ اس دیوان میں چارسو اکیس اشعار درج ہیں، اس دیوان کی ترتیب و تنظیم "عبداللہ بن احمد" نے کی ہے، اس دیوان میں ان کا مشہور "لامیہ قصیدہ" بھی شامل ہے جو نعتیہ شاعری کا سنگ بنیاد ہے۔ طبع محمد صادق نجف اشرف عراق ۱۳۵۶ھ لیکن ان کے بعض مقبول ترین اشعار اس دیوان میں نہیں درج ہوئے ہیں، حالانکہ وہ اشعار سیرت و تاریخ کی مقبول ترین کتابوں مثلاً

"ابن ہشام کی سیرۃ النبی" ابن شجری کی "حماسہ"

"شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید" میں نقل کئے گئے ہیں۔

جناب ابوطالبؑ کے دیوان میں موجود وہ اشعار ملاحظہ کریں۔ جس میں انھوں نے اپنے ایمان اور عقائد کا صریحی طور پر اعلان کیا ہے۔ جس کے بعد ان کے متعلق کسی طرح کے شکوک و شبہات کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ شعر ملاحظہ کریں۔

ملیک الناس لیس لہ شریک
ھوالوھاب والمبدی المعید

"تمام انسانوں کا مالک وہ ایک اور اکیلی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں، وہی اپنے بندوں کو نوازنے والا ہے اور وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔"

ومن تحت السماء لہ بحق
ومن فوق السماء لہ عبید

"چاہے وہ ساکنان عرش ہوں یا زمین پر رہنے والے سب اس کی قدرت کے سامنے عاجز و ناتواں ہیں۔"

جناب ابوطالبؑ کے ایمان پر کفر و الحاد کا بہتان باندھنے والے تعصب و عناد سے الگ ہٹ کر ان اشعار پر غور کریں، اور یہ بتائیں کیا یہ اشعار ابوطالبؑ کے موحد ہونے کا اعلان نہیں ہے کیا ان اشعار کی معنوی اساس قرآن مجید میں بیان کئے ہوئے تصور واحدانیت کی عکاسی نہیں کرتے کیا اس شعر میں معاد کا ذکر خدا کے واحد و لاشریک ہونے کا تذکرہ، خدا کا اپنے بندوں پر بے پایاں احسانات کا اعتراف، اور ساری کائنات کی ملکیت پر اس ذات واحد کا تصرف اور اس کے سامنے دنیا و مافیہا کی ہر شی کی عاجزی و ناتوانی اور اس کی کبریائی و جبروتیت کا اعلان۔ یہی وہ اسلامی عقائد اور اس کے مسلمات ہیں جس کا تذکرہ ان اشعار میں کیا گیا ہے۔

جہاں تک جناب ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کی بات ہے۔ ان کے ایمان پر اکابرین علمائے اہلسنت کا اجماع ہے۔ جس کا ذکر تاریخ کی معتبر کتابوں میں کیا گیا ہے۔ عالم اسلام کی معتبر کتاب "اسنی المطالب صفحہ نمبر ۴" پر یہ روایت نقل ہوئی ہے اور ابن حجر نے "شرح اربعین" میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

"ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اور امام مالک کا قول ہے کہ ابوطالبؑ مومن تھے۔"

علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں۔

"اِنّ ابا طالبٍ علیہ السّلام کانَ مُومناً بالواحِدِ

الاحد وبالرسول الامجد ابن اخیہ محمد

"بیشک ابوطالبؑ وہ واحد واحد شخص ہیں جو اپنے بھتیجے محمدؐ رسول اللہ پر ایمان کامل رکھتے تھے۔"

(خصائص جلد ا صفحہ ۸۷)

علامہ جلال الدین سیوطی مزید تحریر فرماتے ہیں کہ۔

اَنّ اباطالبٍ اسندِ المُحدثون عنه حدیثاً ینتهی الی ابی رافع مولیٰ رسولَ الله صلی الله علیه واله قال: سمعت اباطالب یقول بمکّة حدثنی محمد ابن اخی ان ربّهُ بعثه بصلةِ الارحام وَان یُعبدهُ وحدهُ لا یعبد معه غیره. ومحمد عندی الصادق الامین۔

"جناب ابوطالب تمام محدثین میں محدث اعظم کی حیثیت رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایک غلام ابی رافع روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوطالب کو مکہ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے میرے بھتیجے محمدؐ نے بیان کیا کہ ان کے رب نے انہیں صلہ رحمی اور محض خدائے واحد و یکتا کی عبادت کے لئے مبعوث کیا ہے، اور محمد میرے نزدیک صادق و امین ہیں۔"

مذکورہ کتاب "اسنی المطالب" کے صفحہ نمبر ۱۱ پر جناب ابوطالبؑ کے بعض اشعار نقل کئے گئے ہیں، اور اسی شعر کے تناظر میں تحریر کیا گیا ہے کہ۔

" وهو کلام صریح فی انه مصدق بنبوته و مومن به۔" ابوطالب کے اس کلام سے یہ بات روشن اور واضح ہے کہ آپ نے محمدؐ کی رسالت کی تصدیق کی اور آپ مومن ہیں۔

"اسنی المطالب" طبع مصر صفحہ نمبر ۳۲ پر نقل شدہ عربی متن کا اردو مطالب ملاحظہ کریں۔

"بیشتر علمائے اہل سنت کا تاریخ کی رو سے یہ اعتقاد ہے کہ ابوطالبؑ ناجی یعنی نجات یافتہ ہیں، جس کی دلیل وہ احادیث و روایات ہیں جو ابوطالبؑ کے ایمان سے متعلق مروج ہیں، اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مسلک اہلسنت کے بزرگ علماء کے وہ اقوال و نظریات ہیں جو اس بات کے لئے کافی ہے کہ ابوطالب کو خلق خدا کے نزدیک حجت قرار دیا جائے۔"

جن اکابرین اہلسنت کا یہ اعتقاد و نظریات ہیں ان کے نام تاریخ میں اس طرح بیان ہوئے ہیں۔ امام شعرانی، امام سبکی، امام قرطبی، امام محقق سحیمی یہ انھیں حضرات کے نظریات ہیں کہ۔

"بے شک خدا نے ابوطالب کو زندہ رکھا اور وہ محمدؐ کی نبوت پر ایمان لائے اور حالت اسلام میں انتقال فرمایا۔"

امام احمد بن حسین موصلی حنفی جن کی کنیت ابن وحشی تھی اور اسی سے مشہور تھے، ان کا شمار اپنے زمانے کے بزرگ اور ثقہ عالموں میں کیا جاتا تھا اور مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے ایک بزرگ عالم دین "علامہ محمد بن سلامۃ قضاعی" جن کی تاریخ وفات (۴۵۴ھ) ہے۔ ان کی مشہور زمانہ کتاب "شہاب الاخبار" کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"اَنّ بغض ابی طالبٍ کُفر"

بیشک ابوطالب سے دشمنی رکھنا کفر ہے۔

امام احمد بن حسین موصلی حنفی کا یہ جملہ دراصل آئمہ مالکیہ کے اعتقاد کا عکاس ہے اور علامہ علی الاجھوری کے فتاویٰ میں اس نظریہ کا جواز و دلیل موجود ہے۔ علامہ تلمسانی اسی ضمن میں علامہ قاضی عیاض کی مشہور کتاب "شفا" کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"فقال عند ذکر ابی طالبٍ: لاینبغی اَن یُذکرالاّ بحمایةِ النّبی صلی الله علیه وسلم، لانّه حمّاهُ وَنصرهُ بقولِه وفعلِه وَفی ذِکرِه بمکروهِ اذیّةِ النّبی صلی الله علیه وسلم وَموذیالنبی صلی الله علیه وسلم کافِر والکافر یُقتل۔

"ہم تک ابوطالب کا تذکرہ سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کے حامی و مددگار ہونے کے علاوہ نہیں پہونچا، انھوں نے اپنے قول و عمل کے ذریعہ ہمیشہ حمایت کی، ایسی صورت میں آپ کا تذکرہ غیر مہذب انداز میں کرنا نبی کریم کو اذیت پہونچانے کے مترادف ہے۔ اور نبی کریم کو تکلیف اور ایذا دینے والا کافر ہے اور کافر واجب القتل ہے۔"

"امام سحیمی" نے فرمایا کہ:

"ابوطالبؑ کے سلسلے میں یہی میرا عقیدہ ہے جس پر مجھے اعتقاد ہے اور میں اسی عقیدے کے ساتھ خدا کے سامنے جاؤں گا۔"

معروف عالم اہلسنت مولانا جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی لازہری آپ کی ولادت (۱۰۹۲ عیسوی کو ہوئی اور وفات ۱۱۷۲ عیسوی) کو ہوئی آپ کی مشہور ترین اور شہرہ آفاق کتاب جس کا نام "الاتحاف بحبّ الاشراف" ہے۔ آپ نے اس کتاب میں جناب ابوطالبؑ کی زندگی اور ان کے ایمان سے متعلق بڑے استدلالانہ انداز میں خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کی اسی کتاب کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں، جو عربی ٹیکس میں ہے۔

"اِنّ ایمان ابی طالب لو وُضع فی کفّةُ میزانٍ وَایمان هذا الخلق فی کفّةٍ لَرجع ایمان ابی طالبٍ علیٰ ایمانِهم، کان وَالله امیرالمومنین یامُر اَنّ یحجّ عَن ابی النّبی وَامّه وَعن اَبی طالبٍ حیاتِه. ولقد اوصی فی وَصیتِه بالحجّ عنهم بعد مماتِه"

"بیشک ابوطالبؑ کے ایمان کامل کو میزان عدل کے ایک پلڑے پر رکھا جائے اور جملہ خلق خدا کے ایمان کو دوسری جانب، تو ابوطالبؑ کا محکم ایمان اُن پر گراں بار ہوگا۔ قسم اللہ کی امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ اپنی حیات طیبہ میں نبی کریم کے آباؤ اجداد اور اُن کی والدہ معظمہ اور ابوطالب کے لئے حج بجالانے کا حکم دیتے تھے، اور اپنے بعد بھی ان ہستیوں کے لئے حج کی وصیت فرمائی۔"

"تاریخ طبری جلد ا جز ۲ صفحہ نمبر ۲۲۹، السیرۃ الحلبیہ جلد ا صفحہ نمبر ۳۵۳۔

جناب ابوطالبؑ کا یہ اشعار ان مذکور نظریات پر سند توثیق رکھتے ہیں جس کے بعد ان کے ایمان پر کسی طرح کی جراح و بحث کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی شعر ملاحظہ کریں۔

یا شاهد الله علی فاشهد
انی علی دین النبی محمد

"اے خدا تو شاہد و گواہ رہنا کہ میں محمدؐ کے دین پر ہوں۔"

اسی شعر سے مربوط ان کے ایک شعر کا یہ مصرعہ ہے جو اپنے موضوع اور معنی کے حساب سے مکمل شعر کا درجہ رکھتا ہے۔ گویا مذکورہ شعر کے لئے حرف توثیق ہے۔

- من ضل فی الدین فانا المهتدا۔

"اگر دنیا گمراہ ہوجائے تو ہوا کرے میں تو ہدایت یافتہ ہوں۔"

جناب ابوطالبؑ کے اشعار سے مترشح ہونے عرفانیاتی حقائق اللہ کی اس حجت پر استدلال کرتے ہیں جو تمام نبیوں کا سردار ہے۔شعر ملاحظہ کریں۔

الم تعلمو انّا و جدنا محمداً
نبیاً کموسیٰ خط فی اوّل الکتب

"کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو ایسا نبیؐ پایا ہے کہ موسیٰ کی طرح پہلے کی کتابوں میں اس کا احوال لکھا ہے۔"

جناب ابوطالب اپنے اس شعر کے ذریعہ محمدؐ کی نبوت پر استشہاد کرتے ہیں اور ان گزشتہ آسمانی صحائف اور کتب کا حوالہ دیتے ہیں جن میں آنے والی امتوں کو جناب محمد مصطفےٰؐ کی نبوت سے متعلق خبر دی گئی تھی اور خود بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔جناب ابوطالبؑ کے یہ وہ کارنامے ہیں جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔عالم اسلام کی عظیم شخصیت علامہ بن ابی الحدید معتزلی نے جناب ابوطالب اور ان کے فرزند حضرت علیؑ کے بارمیں "نہج البلاغہ" کی شرح میں یہاں تک لکھ دیا ہے۔

وَلولا ابوطالب وابنہ
لما مثل الدّین شخصاً فقاماً

"اگر جناب ابوطالبؑ اور ان کے فرزند حضرت علیؑ نہ ہوتے تو دین اسلام کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔"

فذاك بمكّۃِ آویٰ وَحامیٰ
وھذا بیثربِ جَسّ الحماماً

"ان میں سے ایک نے مکہ میں حمایت وحفاظت کی اور دوسرے نے مدینہ میں موت سے پنجہ آزمائی کی۔"

تکفّل عَبد مَناف بأمرٍ
وَ اودی فکانَ عَلی تّماماً

"درحقیقت عبدمناف (ابوطالبؑ) نے ایک ذمہ داری لے کی وعدہ فرمایا جسے علیؑ نے پورا کیا۔"

فَقل فِی ثبیر مَضی بعدُ مَا
قَضی مَا قَضاهُ وَاَبقیٰ شَماماً

"کوہ ثبیر کے پھول مرجھا گئے مگر خوشبو باقی ہے۔"

فِللّه ذَا فَاتحاً للھدیٰ
وَللّه ذَ اللمعالی خِتاما

"اللہ بھلا کرے انہوں نے مکہ سے خیر کا آغاز کیا اور رفعتوں پر اختتام کیا۔"

وَمَا ضرّ مَجدَابی طالبٍ
جھول لّغما آو بصیر تعاماً

"ابوطالبؑ کے شرف وبزرگی کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا خواہ جاہلانہ لغو بیانی کرے یا کور چشمی۔"

کَمَا لا یَضرُّ اَیاۃَ الصَّباح
مِن ظَنّ ضَوءِ النھارِ الظّلاماً

"جیسا کہ صبح کی نشانیاں آفتاب کی ضوفشانی سے ظاہر ہو کر ظلمت مٹا دیتی ہیں۔"

سعودی عرب کے مشہور عالم دین اور محقق جناب شیخ محمد تونجی اپنی کتاب "دیوان حضرت ابوطالب" میں تحریر کرتے ہیں کہ۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ کلمہ پڑھنے کی بحث سے قطع نظر،آپ کی پوری زندگی اسلام سے وابستہ نظر آتی ہے (بلکہ) دین اسلام کے لئے جو سب سے سخت مشکل وقت تھا اور نہایت پریشان کن حالات تھے،اس میں (جز ذات گرامی کی مدد ونصرت نمایاں نظر آتی ہے) اور جس کی حیات شجر اسلام سے مکمل طور سے پیوستہ نظر آتی ہے،وہ آپ ہی ہیں۔"

اس بات سے دنیا کا کوئی مورخ اور محقق کیسے انکار کرسکتا ہے کہ جناب رسول خدا کی حیات طیبہ کا ذکر ہو اور اس کے ساتھ جناب ابوطالبؑ کی خدمات کا تذکرہ نہ ہو غیر ممکن امر ہے۔اس لئے کہ ہمارے نبی کی زندگی کا بیشتر حصہ جناب ابوطالبؑ کی کفالت اور نگہداشت میں گزرا ہے۔اور آپ نے نہ صرف اللہ کی طرف سے محمدؐ کو دی جانے والی نبوت کی تائید کی بلکہ اس دین کی بھی تصدیق کی جسے دین محمدؐ کہا جاتا ہے۔جس کا تذکرہ خود جناب ابوطالب نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔اور یہ اشعار تاریخ وسیرت کی اہم کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں۔اس کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

سیرت علیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۰،تاریخ طبری،۱/ ۱۸۰،دیوان ابی طالب صفحہ ۱۵،الاصابہ،۱/ ۱۱۶،تاریخ قرطبی،۶/ ۱۱۲وغیرہ

جناب ابوطالبؑ کے یہ اشعار ملاحظہ کریں۔

واللہ لن یصلو الیك بجمعھم
حتیٰ اوسد بالتراب دفینا

"اللہ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونچا سکتا،

فاصدع بامرك ما علیك غضاضۃ
والبشر بذالك و قرمتك عیونا

"آپ مطمئن ہو کر اپنا پیغام پہونچائیں

ودعوتنی وعلمك انك ناصحی
ولقد صدقت و کنت ثم امینا

"آپ کا یہ پیغام حقیت اور صداقت پر مبنی ہے اس لئے کہ آپ ناصح کامل کے ساتھ معتمد اور امانتوں کا خیال رکھنے والے ہیں۔"

ولقد علمت بان دین محمد
من خیر ادیان البریۃ دنیا

"میں محمدؐ کے دین کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ کا دین دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔"

جناب ابوطالب علیہ السلام نے اپنے اشعار میں اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے۔جب رسول خدا نے کفار ومشرکین کے ان باطل افکار وعقائد کی تردید کی جس کی بنیاد انسانیت کی تذلیل پر استوار تھی،اور عرب کے ان تین سو ساٹھ خداؤں کے مقابلہ خدائے واحدہ لاشریک کی عبادت وپرستش کی دعوت دی،تو کفار ومشرکین نے جناب رسول خدا کے خلاف ایک محاذ کھول دیا،اور پورے عرب میں اسوقت اگر کوئی آواز محمدؐ اور ان کے دین کی حمایت میں بلند ہوئی تو وہ صرف ابوطالبؑ کی ہی آواز تھی۔جس کی وجہ سے کفار ومشرکین کے تمام قبائل اپنی قدیم دشمنایاں بھلا کر محمدؐ کی عداوت پر مجتمع ہو گئے اور انھوں نے آپسی مشورت سے محمدؐ کی حمایت کے جرم میں ابوطالبؑ اور ان کے اہل وعیال کا سوشل وسماجی بائیکاٹ کر دیا،اور یہ سماجی واقتصادی انقطاع محض زبانی باتوں پر نہیں تھا بلکہ ایک مشروط تحریر کی شکل میں تھا جس کی کتابت "منصور بن عکرمہ عبدری" کی تھی حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کے مطابق اس غیر عادلانہ منشور کی تحریر کے ساتھ "منصور بن عکرمہ عبدری" کا ہاتھ شل ہو گیا۔اللہ کی طرف سے رونما ہونے والے اس عذاب کے باوجود معاندین پیغمبر اسلام نے اس دستاویز کو جوف خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا۔جس کی بنیاد پر ابوطالب کو مکہ کی سکونت ترک کرنی پڑی کفار مکہ نے انھیں ایک طویل مدت کے لئے شہر بدر کر دیا،جناب ابوطالب نے اپنے

پیارے بھتیجے محمدؐ کی محبت میں اس سماجی مقاطعہ کو نہایت ہی صبر آزما حوصلے کے ساتھ ہنس کر قبول کر لیا اور اپنے شہر سے بہت دور ایک پہاڑ کے غار میں جا کر پناہ لی۔ جسے تاریخ میں "شعب ابی طالب" (جس کے تاریخی باقیات آج بھی محفوظ ہیں) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انسانی زندگی کے تمام وسائل سے محروم اس دور افتادہ اور غیر آباد جگہ پر جناب ابوطالبؑ اور ان کے پیاروں کو سخت اذیتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، زندگی کے ضروری اشیاء کے بحران اور غذائی قلت کی وجہ سے فاقوں کی نوبت آن پہونچی یہ مسئلہ اتنا شدید ہو گیا کہ اس غذائی قلت کی بھرپائی اور تدارک کے لئے درختوں کے پتوں پر بھی گزر اوقات کرنے پر مجبور ہو گے۔ لیکن پھر بھی اپنے پیارے محمدؐ کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے، بلکہ ان شدید مشکلات، مصائب والام نے ان کی محبت میں اور اضافہ کر دیا۔ ایک دن "شعب ابی طالب" میں اللہ کے رسولؐ کی محبت کے جرم میں جلاوطنی کی سزا کاٹنے والے نبوت محمد کے رمز شناس جناب ابوطالبؑ نے غیب کی یہ خبر دی کا جا کر یہ مکہ کے کفار و مشرکین سے کہد و کہ وہ تحریری دستاویز جو محمدؐ سے دشمنی کی بنیاد پر تحریر کر کے خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں گئی ہے اس تحریر کو وقت کی دیمکوں نے چاٹ ڈالا ہے اور اس دستاویز میں سوائے محمدؐ اور ان کے اللہ کے نام کے اور کچھ نہیں بچا ہے۔ ابوطالبؑ کی اس خبر کے بعد جب مکہ کے کفار و مشرکین نے اس دستاویز کو خانہ کعبہ کی دیوار سے اتار کر دیکھا تو ابوطالب کو اپنے قول میں صدیق پایا۔

اسی واقعہ کو مولانا شبلی نعمانی نے "سیرت النبی، جلد ا صفحہ نمبر ۱۸۰" پر بھی تحریر کیا ہے۔

اس واقعہ کو علامہ حلبی نے بھی نقل کیا ہے۔

اسی واقعہ کی طرف جناب ابوطالبؑ نے اپنے اشعار میں خود اشارہ کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ کریں۔

وقد کان امر الصحیفه عبرۃ
متی یخبر غائب القوم یعجب

"اس دستاویز کا قصہ بھی مقام عبرت بن گیا، غیب کی خبر پر قوم کو نہایت تعجب ہوا۔"

محاالله منہا کفرھم وعقوقھم
وما نقوموا من ناطق الحق معرب

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے کفر و باطل اور حق کی مخالفت کے کلمات کو نیست و نابود کر دیا۔"

فاصبح ماقالوا من الامر باطلا
ومن یختلق ما لیس بالحق یکذب

"ان کی باتیں باطل اور جھوٹ ہو گئیں ایسا کیوں نہ ہو جو بھی حق کے خلاف کہے گا جھوٹا بنے گا۔"

الاھل اتی بحرینا صنع ربنا
علیٰ تاٸھم ؛ واللہ بالناس ارود

"کاش کوئی سمندر پار (حبشہ) کے رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے اس کرم کی اطلاع دیتا۔"

فیجزھم ان الصحیفۃ مزقت
وان کل مالم یرضه الله ، مستد

"کوئی انھیں یہ بتا دیتا کہ وہ دستاویز برباد ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف انجام پانے والا کام فاسد ہی ہوتا ہے۔"

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲/ ۶۱)

ان علیاً وٌ جعفر اثقتی
عند احترام الامور والکرب

"جب زمانہ کی چیرہ دستیاں بڑھ جائیں اور معاملات بہت سخت ہو جائیں تو مجھے (اپنے بیٹے) علیؑ اور جعفرؓ پر ہی بہت زیادہ اعتماد ہے۔"

واللہ لا اخذل النبی و لا
یخذُلُه من بنی ذو حسب

"اور میں (ابوطالب) اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ نہ تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتا ہوں اور نہ کسی شریف خاندان کا، کوئی آدمی ان کا ساتھ چھوڑ سکتا ہے۔"

ایسے نہ جانے کتنے اشعار ہیں جس میں جناب ابوطالبؑ نے اپنے عقائد کا کھل کر اعلان کیا ہے، جس کا تذکرہ ایک تفصیلی مضمون کا متقاضی ہے، اور یہاں مجھے ان کی نعت گوئی پر گفتگو کرنی ہے اور جناب ابوطالبؑ کے ان اشعار کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جس میں انھوں نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تذکرہ کیا ہے۔

جناب ابوطالب کا وہ نعتیہ قصیدہ جو تاریخ میں "قصیدہ لامیہ" کے نام سے مشہور ہے اسی "نعتیہ قصیدہ" میں انھوں نے رسول خدا کی ظاہری و معنوی حسن کی تعریف و توصیف بڑے فصیح انداز میں کی ہے جسے سننے کے بعد ایک عجیب سی روحانی کیف و مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ اسی قصائد میں بیشتر اشعار ایسے ہیں جس میں ابوطالبؑ نے اپنی اس روحانی و ذہنی کرب کا اظہار کیا ہے جو کفار و مشرکین کی طرف رسول کرمؐ کے خلاف کی جانے والی سازشوں اور ایذا رسانیوں سے ملحق تھیں۔ جس کے تدارک اور سد باب کے لئے ابوطالب ہمہ وقت متفکر رہتے تھے۔ خاص طور سے جناب ابوطالبؑ نے اپنے اس قصیدہ میں اہل قریش کو مخاطب کیا ہے اور انھیں ان کی خوں آشام طبیعت کو جنگ سے باز رہنے کی دعوت دی ہے، اور جنگ سے پیدا ہونے والے نقصانات اور بحران کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے خاص کر اتلاف اموال، خونریزی اور جان کا زیاں وغیرہ۔ یہ نعتیہ قصیدہ کل ۱۰۰/ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدہ کا تذکرہ ابن ھشام نے سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ پر بھی کیا ہے۔ (یہ کتاب تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ابن ہشام کا انتقال ۲۱۳ ھ میں ہوا) اس قصیدہ کے بعض اشعار تذکرہ شارح نہج البلاغہ، علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ، میں بھی کیا ہے۔ اس قصیدے کے بارے میں "علامہ دجلانی" نے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ ان (ابوطالبؑ) کے ایمان و ایقان پر واضح دلیل ہے۔ اور "علامہ ابن کثیر" نے اس قصیدے کی تعریف میں لکھا ہے کہ یہ قصیدہ نہایت بلیغ ہے اور کوئی اس کی مثال نہیں پیش کر سکتا، اس کی بلندی "معلقات سبعہ" سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

وہ "لامیہ قصیدہ" جسے نعتیہ قصیدہ کی اساس کہا جاتا ہے، اس قصیدے کی تخلیق کا اصل محرک یہ واقعہ ہے جو اسوقت پیش آیا جب جناب رسول خداؐ کے بچپن کے ایام تھے اور مکہ میں شدید قحط پڑ گیا، جس کی وجہ سے تمام سکنان شہر مکہ پانی کی ایک ایک بوند کے محتاج ہو گئے، کفار و مشرکین نے اپنے خود ساختہ خداؤں "لات" و "منات" اور "عزا" طلب باران کے لئے منت و سماجت کی لیکن کوئی تدبیر بر آور نہ ہوئی۔ ایسی صورت میں مکہ کے ایک بزرگ نے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ رئیس مکہ کے ہوتے ہوئے کسی اور سے کیوں درخواست گزاری کی جائے۔ یہ سن کر لوگ جناب ابوطالب کے در دولت پر حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ اب آپ ہی کچھ کریں، اس لئے کہ اب ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ آپ ہمیں اس قحط سے نجات دلائیں۔ یہ سن کر آپ اندرون خانہ تشریف لے گئے اور رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ کی انگلیاں پکڑ کر گھر سے باہر نکلے، پورے مجمع کے ساتھ خانہ کعبہ کے قریب آئے اور حجر اسود کے قریب دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گئے اور کمسن محمدؐ کی انگلیاں پکڑ کر آسمان کی طرف بلند کی اور محمد کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے طلب باران کی دعا شروع کی ابھی آپ کی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ خنک ہوائیں چلنے لگیں اور آسمان پر گھٹائیں نمودار ہو گئیں اور خدا نے اپنے محمدؐ کے صدقہ میں پورے ساکنان مکہ کو سیراب کر دیا۔ پھر اپ نے اسی جوش عقیدت میں بے ساختہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے، اسی قصیدہ کا ایک مقبول ترین شعر یہ بھی ہے۔

وابیض یستسقیٰ الغمام بوجه
ثمال الیتامیٰ عصمة للأ رامِل

یہ شعر اصل میں اسی واقعہ سے ایک خاص نسبت رکھتا ہے۔ جس کی تفصیل وتشریح آگے چل کر بیان کی جائے گی فی الحال اسی نعتیہ قصیدہ (لامیہ) کے کچھ متفرق اشعار ملاحظہ کریں۔

ولمّا رایت القوم لا وُدّ فیھم
وقد قطعو ا کُلّ العری والوسائل

"جب میں نے قوم میں چاہت کی کمی محسوس کی تب میں نے ان کی بے مروتیوں کے سبب تمام رشتہ دارانہ تعلقات کو پس پشت ڈال دیا۔"

وَقَد صارحو نا بالعداوۃ والاذیٰ
وقد طاوٗ عو امرِ العدُوِ المزائِل

"کھلی ہوئی عداوت کے ساتھ ہمیں اذیتیں پہونچائی۔ اور ہم سے الگ ہو جانے والے مخالفین کی باتیں مانیں۔"

وَقَد حالفوا قوما علینا اظنّۃ
یَعضّونَ غیظاً خلفنا بالاناملِ

"ہمارے خلاف اتہام (تہمت) لگانے والے سے معاہدے کئے جو ہمارے عدم موجودگی میں غصہ سے انگلیاں چباتے ہیں۔"

صَبرتُ لھُم نفسی بِسُمراءَ سمحۃٍ
وَابیض عَضبٍ من تُراث المقَاوِل

"میں خود ایک لچکدار نیزے اور اسلاف سے وراثت میں ملی ہوئی چمک دار تلوار لے کر دشمنوں کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔"

وَاَحضَرت عِند البیتِ رھطی وَاخوتی
وَامسکتُ مِن اَثوابِہِ بِالوصائِلِ

"اور میں نے اپنے بھائیوں اور گروہ کے افراد کو بیت اللہ کے پاس بلوایا اور اس اللہ کے گھر کے سرخ دھاری دار غلاف کو تھام لیا۔"

قِیاماً معاً مُستقبلِینَ رِتَاجہٗ
لَدَی حَیثُ یَقضِیُ حلفۃ کُلُّ نَافِلِ

"بیت اللہ کے اس عظیم الشان دروازے کے سامنے اس جگہ پر جہاں (برأت ثابت کرنے والے حلف اٹھاتے ہیں) سب کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کے غلاف کو تھام لیا۔"

خاص کر ان مذکورہ بالا اشعار میں چوتھے شعر کے دوسرے مصرعہ۔

"وَابیض عَضبٍ من تُراث المقَاوِل" بڑی تاریخی روایتوں سے بھرپور ہے۔ جس کی طرف جناب ابوطالبؑ کا اشارہ ہے۔ لفظ "مقاول" اصل میں "مقول" کی جمع ہے۔ اس کے بارے میں تاریخ میں ملتا ہے کہ "مقول" اصل میں "یمن" کی حکومت کرنے والے بادشاہوں کا لقب خاص تھا۔ یمن کے انھیں بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ۔ جس کا نام "سیف بن ذی یزن حمیری" تھا اس نے حضرت ابوطالب کی خدمت میں کچھ تحائف پیش کئے تھے جس میں ایک "سفید چمک دار تلوار" بھی شامل تھی، جو حضرت عبدالمطلب کے بعد وراثت کے طور پر جناب ابوطالبؑ کو ملی تھی، اس مذکورہ شعر میں جناب ابوطالبؑ اسی سفید اور چمک دار تلوار سے جناب رسول خداؐ کی معاونت و نصرت کا اعلان کر رہے ہیں۔

اس کے برعکس سفید چمکتی ہوئی تلوار سے مراد جناب ابوطالبؑ کا اپنے اسلاف کی شاندار تاریخ کی طرف اشارہ ہے جو ہمیشہ سے دین حنیف کا پیروکار اور خدا کے حکم کا طابع دار رہا ہے، جس نے مظلوموں اور یتیموں کی کفالت اور ان کی مدد و نصرت میں ہمیشہ سے سبقت کرتے ہیں، اور کبھی بھی دشمنوں کے سازشوں اور ان کے قہر و غلبہ اور ظلم و جبروت کے سامنے سرنگوں نہیں ہوئے۔

خاص کر اس قصیدہ کے یہ دو اشعار جو پیغمبر اکرم کی فضیلت کے بیان سے بھرپور ہیں، جس کی مثال نعتیہ شاعری میں سند توثیق کی حیثیت رکھتے ہیں یہ دو شعر ملاحظہ کریں۔

فمن مثلہ فی الناس اَیٌّ مومّلٍ
اذا قامتہ الحکّام عندالتفاضُل

"لوگوں میں کون ہے (محمدؐ) کی مثیل و نظیر جب فیصلہ کرنے والے آپ کی فضیلتوں کا مقابلہ کریں گے تب انہیں معلوم ہوگا کہ آپ کس پایہ کے قبلہ امید ہیں"

حلیم رشید عادِل غَیرطَائِشٍ
یوالی الھاً لَیس عَنہُ بغافل

"آپ (محمدؐ) بردبار ہیں عقل محکم بھی رکھتے ہیں، عادل بھی ہیں اور پاسداری کرنے والے بھی آپ ایسے خدا کو دوست رکھتے ہیں جو آپ سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔"

(اصابہ فی تمیز صحابہ: ۱۱۶،۱۱۵۔۔۔ اور سیرۃ النبی ، ابن ہشام بھی یہ شعر نقل ہوا ہے)

جناب ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں علامہ عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب "عربی میں نعتیہ کلام صفحہ ۳۴" پر یہ تحریر کرتے ہیں کہ۔

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ذکر کرتے ہیں تو قدرتاً ان (ابوطالب) کو جوش بڑھ جاتا ہے اور آپ کی مدح میں ایک شعر ایسا زبان سے نکلتا ہے جو ہزاروں قصیدوں پر بھاری ہے۔"

علامہ عبداللہ عباس ندوی نے جس شعر کے بارے میں یہ کہا ہے دراصل اسی قصیدہ لامیہ" کو وہ مقبول ترین شعر ہے جسے خود رسول خدا نے بھی پسند فرمایا تھا، وہ شعر یہ ہے۔

وابیض یستسقیٰ الغمام بوجہ
ثمال الیتامیٰ عصمۃ للاَ رامِل

"وہ روشن اور تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے۔ وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرپناہ۔"

اسی مقبول ترین قصیدے کے اس شعر کا تجزیہ ملاحظہ کریں۔ جسے عبداللہ عباس ندوی نے خود کیا ہے۔

"(وہ روشن و تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے، وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرپناہ ہیں) اس شعر میں دو لفظ "ثمال" اور "عصمۃ" کے آئے ہیں جن کا مفہوم ایک لفظ میں بیان کرنا مشکل ہے، دوسرے اس شعر میں کچھ اور حسن بھی ہے، ان کی طرف اشارہ ضروری ہے "ثمال" (بالکسر) فریادرس، سہارا، جس پر شدت و مصیبت کے وقت بھروسہ کیا جائے، کو کہتے ہیں۔ "لسان العرب" میں اس کی مثال یہ دی ہے "فلاں شخص فلاں قوم کا "ثمال" ہے، یعنی وہ اس کا ایسا ستون ہے جس پر اس کی عمارت قائم ہے (لسان العرب مادہ ثمل) ابوطالب کے شعر میں نبی کریم صل اللہ وعلیہ وسلم کو ثمال الیتامیٰ کہا گیا ہے، یعنی یتیموں (بے سہارا افراد) کے صرف آپ ہی سرپناہ ہیں، سرپناہ سے زیادہ وضاحت انگریزی کے لفظ (SUSTAINER) سے ہوتی ہے، کیونکہ اس کے مفہوم میں خبر گیری اس کی صلاحیتوں کو ابھار کر بروکار لانا بھی شامل ہے۔ اسی طرح "عصمۃ" کا لفظ ہے جس کے عربی میں معنی روک، بچاؤ، حفاظت کے ہیں، عرب کہتے ہیں فلاں عورت اپنے باپ کی عصمت میں ہے یا اپنے شوہر کی عصمت میں ہے، اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس عورت کے لئے ڈھال اور سپر ہے کوئی بری نگاہ سے اس کو دیکھ نہیں سکتا، اس کی ضروریات کا وہ کفیل ہے، اور اس کے ناموس کا محافظ ہے، بیوہ عورت جو اپنے "عاصم" سے محروم ہو چکی ہے آنحضرت اس کے "عاصم" ہیں قرآن کریم میں آیا ہے "لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم"۔ (آج اللہ کے حکم سے بچانے والی کوئی شئے نہیں ہے البتہ وہ شخص بچے گا جس پر اللہ نے رحم کیا ہو۔) لسان العرب میں ابن منظور نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے "لا معصوم الا المرحوم" یعنی بچا ہوا وہی ہے جس پر رحم کیا گیا ہے۔ اس شعر کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ پہلے مصرعہ میں رسول کریم صل اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ کی ذات ایسی بابرکت ہے کہ آپ کے چہرۂ انور ان کے صدقے میں بارش کی طلب کی جاتی ہے، بارش سے سب سیراب ہوتے ہیں دوست دشمن ہر ایک کی کھیتی نہال ہوتی ہے، گویا آپ کو والی و

سرپرست بتایا گیا ہے، کیونکہ یتیم اور بیوہ بے چارگی اور کس مپرسی کے لئے رمز (Symbol) کا درجہ رکھتے ہیں، یہاں دونوں مصرعوں میں ایک لطیف ربط ہے، ابن نباطہ مصری جو کہ خود ایک صاحب ذوق، بلند پایہ ادیب اور مداحین نبی میں قابل ذکر درجہ رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ" یستقی الغمام" کو بجائے مجہول کے معروف صیغے سے پڑھتا ہوں (عمر النابلسی، دیوان ابن نباتہ طبع قاہرہ ۱۳۴۲ھ ص ۸) یعنی "یستقی الغمام" جس کا مطلب یہ ہوتا ہے خود بادل آپ کے چہرے انور کے صدقے برسنے کی اجازت چاہتا ہے۔اس شعر کی ایک اور خصوصیت ہے جو سب پر بھاری ہے وہ یہ کہ اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سند قبولیت مل چکی ہے۔"

ابن ہشام کی روایت صحیح کے مطابق ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں شدید قحط پڑ گیا اہل مدینہ حضور کے پاس طلب بارش کی درخواست لے کر گئے حضور منبر پر تشریف لے گئے اور دعا فرمائی ابھی منبر سے اترے بھی نہیں کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی بارش اتنی ہوئی کہ لوگوں کو سیلاب کا خوف ستانے لگا پھر حضور نے دعا فرمائی "اللھم حوالینا ولا علینا" پھر بادل چھٹ گئے اور آس پاس کی پہاڑیوں کی چوٹیاں صاف نظر آنے لگی۔اس پر نبی کریم نے ارشاد فرمایا اگر آج میرے چچا ابوطالب ہوتے تو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے، گویا حضور کا یہ کہنا جناب ابوطالب کے اس شعر پر استدلال و استناد ہے جو انھوں نے اپنے پیارے بھتیجے کی شان میں کہا تھا۔

وابیض یستسقی الغمام بوجہ
ثمال الیتامیٰ عصمة للأ رامل

جناب رسول خدا سے متعلق حضرت ابوطالب کو جذبہ جذبہ محبت وفدکاری تھا وہی وراثت میں ان کے بچوں کو بھی حاصل ہوا، خاص کر حضرت علی کے اندر وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جس کی توقع جناب ابوطالب کو اپنی زندگی کی آخری سانس تک تھی، وہ محمد اکرم سے محبت و موانست کے اس طریق میں جناب فاطمہ بنت اسد کی پرورش کو بھی بڑی اہمیت دیتے تھے جس کا تذکرہ ان کے ان اشعار سے لگایا جاسکتا ہے۔شعر ملاحظہ کریں،

أمّا علیّ فاربّیتہٗ أمّہٗ
ونَشا علی مِقۃٍ لہٗ وَتَزَیُّدا

"میرے بیٹے علی کی تربیت ان کی ماں (فاطمہ بنت اسد) نے اس انداز سے کی ہے کہ وہ رسول اللہ کی محبت کے ساتھ ہی پروان چڑھی ہیں اور اس محبت میں ہر آن اضافہ ہو رہا ہے۔"

شَرفُ القیامَة و المَعادَ بنصرِہٖ
وَبعاجِلِ الدّنیا یَحوزُ السُّوددَا

"نبی کریم حضرت محمدؐ کی مدد و نصرت کی وجہ سے انہیں دنیا میں بھی عظمت و جلال حاصل ہوگا اور بروز قیامت بھی وہ شرف و منزلت کے مالک ہوں گے۔"

أکرمُ بِمن یُفضی الیہ بِامرِہٖ
نَفساً اِذا عَدّا النفوس وعدّدا

"کتنا لائق احترام ہے میرا بیٹا جس نے اپنی جان کو محمدؐ کے سپرد کر رکھا ہے۔

وَخَلائِقاً شرفت بمحمدٍ نِصابہٖ
یَکفِیکَ مِنہ الیوم مَاترجُو غَدا

"اور جب نفس و جان کا حساب کیا جائے تو علی نفس رسول میں وہ فضل و شرف میں انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں کہ جس بات کی کل کے لئے تمنائی جائے وہ آج ہی عطا کرنے والے ہیں۔"

جناب ابوطالب کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فدا کارانہ محبت محض ایک چچا ہونے کے ناطے نہیں، بلکہ یہ احترام حضرت محمد کا نبوت جیسے منصب جلیل پر فائض ہونے کی بنیاد پر تھا اور عرب کے کفار و مشرکین کی ضرر انگیز مخاصمت و معاندت کے مقابل جناب ابوطالبؑ کے تمام تحفظانہ اقدام تاریخ اسلام میں جذبہ فداکاری کی ایک بہترین مثال ہے۔اس کا اندازہ جناب ابوطالب کے دیوان میں موجود ان کے نعتیہ قصائد کے ان اشعار سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔آپ بھی یہ اشعار ملاحظہ کریں۔

انت الرسول رسول اللہ نعلمہ
علیک نزل من ذی العزّة الکتب

ترجمہ: "ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ ہی اللہ تعالی کے رسولؐ برحق ہیں۔اور صاحب عزت وجلال نے آپ پر قرآن حکیم نازل فرمایا ہے۔"

فاضرب بسیفک مَن أرادَ مَساءَ ة
حتی تکون لہ المنیّةُ ذائق

ترجمہ: "دیکھو! جو شخص بھی نبی اکرم کو نقصان پہنچانا چاہے، اس پر اپنی تلوار لے کر ٹوٹ پڑو تاکہ موت کا مزا خود اسے چکھنا پڑے (حضور کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچے)"

ھذا رجائی فیک بعد منیتی
لازلت فیک بکل رُشدوائق

"میں دنیا سے جانے کے بعد بھی آپ سے اسی بات کا آرزومند ہوں اور میں نے ہمیشہ آپ سے اچھی امید رکھی ہے۔"

فاعضد فواہ یابُنیّ و کن لہ
انّی بجدک لا محالة لاحِق

"میرے نور نظر! نبی کریمؐ کے ایسے دست و بازو بن جاؤ کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں تمہیں ہمیشہ اپنے قریب پائیں"

آتریٰ اراہُ واللِواءُ امامہ
وعلی ابنی للواء معائق

"لیکن میں چشم تصور سے یہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ اُن کا پرچم (ہر طرف) بلند ہو رہا ہے اور میرے بیٹے علی ان کا پرچم اٹھائے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں"

بشیبة الحمد اسقی اللہ بلدتنا
وقد عدمنا الحیا ءُ والجلود المطر

"اللہ تعالی نے شیبة الحمد کے سبب ہمیں اس وقت سیراب کیا جب سلسلہ باراں منقطع تھا اور زندگی دشوار تر ہوگئی تھی"

فجادَبالماء جونیٌّ لہُ سبَل
دان فعاشت بہ الانعام و الشّجر

"تاریک بادلوں نے وہ موسلا دھار پانی برسایا کہ حیوانات و نباتات جی اُٹھے۔"

جناب ابوطالبؑ کے بہت سے اشعار ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے الہیاتی صفات اور عرفانی جمالیات کے رمز و اسرار کا انکشاف کرتے ہیں۔اہل قریش اور کفار مکہ کی شر انگیزیوں کے مقابلے میں جناب ابوطالبؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تحفظات کے لئے ہر طرح کے مسائل سے نبرد آزمائی کی مثال ان کے اس نعتیہ قصائد کے اشعار سے بخوبی ہوتا ہے جس کا تذکرہ (ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۱) میں درج ہے یہ قصیدہ ۹۵/اشعار پر مشتمل ہے جس کا موضوع مدافعت پیغمبرؐ ہے۔اس قصیدے کے مطلع سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔مطلع ملاحظہ فرمائیں۔

ولمّا رأیت القوم لا وُدّ فیھم
وقد قطعو الکل العری وَالوَسَائل

"جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کے دلوں میں محبت نہیں رہی اور لوگوں نے زندگی کے تمام وسائل کی کڑیاں توڑ دی ہیں۔"

جناب ابوطالب علیہ السلام کے نعتیہ اشعار عشق محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سرمدی کیف سے لبریز ہیں۔ جس کی جذ ابی کیفیت ایک مرد خود شناس و خدا شناس کو آن واحد میں پوری کائنات کو تسخیر کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اور جس کا سرور اسے ادراک کی اس منزل پر لا کھڑا کرتا ہے جہاں اسرار رموز کے سیکڑوں پردوں میں لپٹی ہوئی کائنات اپنے رخ پر پڑی ہوئی نقاب کو الٹ کر اس کے سامنے جلوہ نمائی کرتے ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جناب ابوطالب علیہ السلام کے شعری آہنگ بہت ہی متوازن اور لہجہ میں بڑی آبداریت پائی جاتی ہے۔ خاص کر ان کے اشعار کے لہجہ کا جلال اسوقت زیادہ بڑھ جاتا ہے جب وہ عرب کے ان کفار و مشرکین کو خطاب کرتے ہیں جو محمدؐ کے درپہ آزار ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی بھی طرح سے محمدؐ کو نقصان پہونچایا جائے۔ ایسی صورت میں ان کے مذموم عزائم اور مقاصد کے خلاف جناب ابوطالبؑ بڑے تہدیدانہ انداز میں شعر کہتے ہیں۔ ان کے ان اشعار کا لہجہ ملاحظہ کریں۔

وَنسلمه حتّیٰ نصرّع حوله
وَ نزهَلَ عَن ابنائنا وَالحلائِل

"یہ تمہارے خام خیالی ہے کہ ہم (محمدؐ) کو تمہارے حوالے کر دیں گے، ہرگز نہیں یہاں تک کہ ہم ان کی حفاظت کے لئے اپنے بیوی اور بچوں کو فراموش کر دیں گے۔"

وَاِنّا لعمر الله اِن جَدّ ما اری
لَتلتسبساً اسیافنا بالا ماثِل

"باقی رہنے والے اللہ کی قسم مجھے جس کے بارے میں گمان ہے اگر سچ میں وہی واقع ہوا تو ہماری تلواریں بڑے بڑوں لوگوں کو پہن لیں گی یعنی قتل کر دیں گی یا بڑے بڑے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوں گی۔"

بکفّیٰ فتیٍ مِثل الشّهاب سمیدع
اَخی ثقة حَامی الحقیقة بَاسِلِ

"ہماری تلواریں) ایسے جونمردوں کے ہاتھوں میں ہوں گی شہاب کا یعنی (روشن چہرے والا یا بے خوف صفوں میں گھس جانے والا) سردار اعتماد کے لائق سچائیوں کی حمایت کرنے والا بہادر ہو۔"

وَمَا ترَك قوم لا ابالك سیّداً
یحوط الذّ مَارَ غیرَ ذَربٍ مرا کِلِ

"تیرا باپ مرجائے، ایسے سید و سردار کو چھوڑ دینا کیسی بدترین بات ہے، جو حمایت کے قابل چیزوں کی نگرانی کرتا ہے، نہ فسادی ہے اور نہ اپنے کام کو دوسروں پر چھوڑنے والا ہے۔"

جناب ابوطالبؑ کے یہ بصیرت خیز اشعار نبی اکرمؐ کے اسوہ حسنہ، تعلیمات نبی کریمؐ اور آن کے جملہ اوصاف و خصائص اور سیرت نگاری کی ایک بہترین مثال ہیں۔ جو صبح قیامت تک ہر مسلمان کے دلوں میں حرارت ایمان پیدا کرتے رہیں گے اور متلاشیان راہ حق کے لئے علامت خیر تصور کئے جائیں گے۔ جناب ابوطالب کے جو نعتیہ اشعار آج تاریخ میں موجود ہیں وہ اشعار نعت گوئی کا ایک ایسا خط مستقیم ہے، جس کا تتبع نعت گوئی کے لئے ضروری ہے۔ اس منہج سے شعوری یا غیر شعوری طور پر گریز نہیں کیا جا سکتا۔ بارگاہ رسالتؐ کے عظیم شاعر جناب حسان ابن ثابت الانصاری نے بھی اسی راستے کا تتبع کیا ہے۔ اور جناب ابوطالبؑ کے سلام کے بعض نعتیہ قصائد پر تضمین بھی کی ہے۔ (تضمین یہ ایک شعری اصطلاح ہے جس کے معنی 'ضم' کرنے کے لفظی ترمیم و تصحیف کے ذریعہ ایک مصرعہ سے دوسرے مصرعہ کو جوڑنے کے عمل کو تضمین کہا جاتا ہے اور اردو شعریات اس کا استعمال گرہ لگانے کے معنی میں ہوتا ہے۔ لیکن عربی شاعری میں تضمین کے معنی اردو شاعری سے ذرا مختلف ہیں عربی میں تضمین کا مطلب ہے کہ ہر مصرعہ کے پہلے جز یا آخری جز میں کسی لفظ کو تبدیل کر دیا جائے اسے تضمین کہتے ہیں۔ لیکن اردو شاعری میں ایسا نہیں ہے۔)

جناب ابوطالبؑ کے ایک نعتیہ قصیدے پر جناب حسان ابن ثابت کی یہ تضمین ملاحظہ کریں۔

جس کا مطلع یہ ہے۔

لقد اکرم الله نبی محمد
فاکر خلق الله فی الناس احمد

(دیوان ابی طالب ۱۲)

"بے شک اللہ تعالی نے محمدؐ نبی کو تمام مخلوقات سے زیادہ اکرم اور اشرف قرار دیا ہے۔"

جناب حسان ابن ثابتؓ کی تضمین ملاحظہ کریں۔

وشق له من اسمه لیجله
فذوالعرش محمود هذا محمد

"اور آپ کا اسم گرامی اللہ تبارک و تعالی کے اسم گرامی سے مشتق ہے وہ عرش پر محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔"

الم تری ان الله ارسل عبده
بآیاته والله اعلی وامجد

"کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالی نے انھیں عبد بنا کر بھیجا ہے نشانیوں کے ساتھ۔"

محسن اسلام جناب ابوطالب علیہ السلام نے یتیم عبد اللہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایسی پرورش و پرداخت کی کہ پورے عرب میں جس کی نظیر نہیں ملتی، آپ کی اسی کفالت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ کا تذکرہ انتہائی احترام کے ساتھ کرتے۔ جب ابوطالبؑ اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے چچا کی جدائی پر گریاں و محزوں ہوئے۔ اپنے اس مربی و محسن کا ہجر آپؐ کے دل پر اتنا شاق تھا کہ اس پورے سال کو "عام الحزن" قرار دیا۔ ایسا کیوں نہ ہو جس چچا کے دل کی آخر امید و حسرت یہ رہی ہو کہ۔

اها اردد حسرةً لفراقه
اذ لااراهُ وقد تطاول باسق

ترجمہ: "افسوس! میں اس حسرت کے ساتھ دنیا سے جا رہا ہوں کہ حضور اکرمؐ کا اقتدار اور ساری دنیا پر ان کے پرچم کو لہراتے ہوئے نہ دیکھ سکا"

(دیوان ابوطالب)

جناب ابوطالب علیہ السلام کے ان مذکورہ اشعار کے ذیل میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی معرفت اور ایمان و ایقان کی کس انتہائی منزل پر تھے، جس کا تصور کرنا محال ہے، ان کے اشعار خود اس بات کے گواہ ہیں کہ جناب ابوطالب علیہ السلام نے اپنے چچازاد کی پرورش و پرداخت بر بنائے رشتہ نسب نہیں کی بلکہ وہ آنحضرت کی حفاظت و کفالت کی ذمہ داری کا اہتمام و انصرام ایک نبی ہونے کی وجہ سے کرتے رہے، اور وہ جب اس دنیا سے رحلت کرنے لگے تو انھوں نے اس بات کا اظہار بھی اپنے شعر میں کیا کہ اے میرے بھتیجے میں جانتا ہوں کہ تو خدا کی طرف سے مبعوث کئے جانے والے پیغمبر ہو، لیکن مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں دنیا کے اس پست و بلند کے ہر خطہ ارض پر لہرانے والے محمد کے دین کو پرچم کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر اس دنیا سے جا رہا ہوں، اور انھوں نے اس کے بعد اپنے بیٹوں کو بھی وصیت کی دیکھو خبردار رہنا بنو ہاشم کے نوجوانوں کے میرے بھتیجے محمد کو کوئی گزند نہ پہونچنے پائے اور محمد کی طرف حسد و کینہ اور بغض و عداوت میں اٹھنے والی آنکھوں کو تم ان کمادار تلوار کے نوک سے باہر نکال لینا، اور محمد کی حفاظت میں اپنی جان کی پرواہ مت کرنا۔ اور اپنے زندگی کی آخری سانس تک محمد کی نگہداشت میں ایک لمحہ بھی فروگزاشت نہ کرنا۔

جناب ابوطالب علیہ السلام کے ایسے ایمان افروز نعتیہ اشعار کے بعد کسی سیاسی مصلحت اور مذہبی و مسلکی تعصب سے کام لینا صریح دین محمدی اور قانون الہی اور منشائے قدرت کے متقاضی نہیں۔

❑❑❑

ڈاکٹر علی عباس

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، چنڈی گڑھ

9988371214

نعت اور عرفانیات کا شاعر دھرم پال گپتا وفا دہلوی

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں ایک باغبان اور صراف میں گہری دوستی تھی۔ باغبان جب اپنے دوست سے ملتا، اسے اپنے باغ میں آنے کی دعوت دیتا اور کہتا کہ فصل گل ہے، رنگین اور حسین پھول کھلے ہیں، کبھی میرے باغ کی سیر کو بھی آجایا کرو۔ آخر ایک دن صراف اپنے دوست کے باغ میں پہنچا، وہ اپنے ساتھ اپنی کسوٹی بھی لے گیا اس نے باغ میں پہنچتے ہی ہر پھول کو اپنی کسوٹی پر کسنا شروع کیا اور ہر پھول کو مسل کر پھینکنے لگا۔ صراف نے باغبان سے کہا کہ ”تمہارے باغ کا کوئی بھی پھول ہماری کسوٹی پر پورا نہیں اتر رہا ہے، تم تو ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے“۔ باغبان نے مسکرا کر جواب دیا کہ ”پھولوں کی کسوٹی اور ہوتی ہے اور وہ آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے آپ پھولوں کی قدر و قیمت کا تعین نہیں کر سکتے“۔ صراف بہت حیران ہوا اور بولا۔ ”کیا کوئی اور بھی کسوٹی ہوتی ہے؟ ہم تو ابھی تک اپنی کسوٹی ہی کو کسوٹی سمجھتے آئے تھے اور ہماری کسوٹی پر آپ کے پھول نہیں اترے، بس اتنا ہم جانتے ہیں۔“ باغبان سمجھ گیا کہ صراف میں اس لطیف شے کی کمی ہے جس سے پھولوں کے حسن و جمال اور رنگ و نکہت سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی قسم کی کسوٹی پر ہر شے کو نہیں پرکھا جا سکتا۔ بالکل اسی طرح کسی شاعر کی شاعری کے معیار اور اس کے رنگ و آہنگ کو بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ کسی بھی دور، حالات، تخیلات اور مشاہدات کے اظہار کے لیے شاعر اپنی جودتِ طبع سے شعری تخلیق کرتا ہے اور اسی کے اعتبار سے اس کی شاعری کے معیار و وقار کو سمجھنے اور پرکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ فنون لطیفہ (Fine arts) ایک فکریاتی حرکت (Ideological Activity) کا نام ہے جو ایک انسان کے اجتماعی جذبات اور خیالات کی نمائندگی کرتی ہے۔ فن کار کا شاہکار اس حقیقت کو ایک مخصوص تخیلی پیکر دے کر اسے زندہ کرتا ہے۔ فکری، تخیلی اور ذہنی تخلیق کے اسی عمل کو شعر و ادب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دھرم پال گپتا وفا کی تخلیقات میں ہم اس فکریاتی حرکت و عمل کو بخوبی محسوس کر سکتے ہیں جس سے انہوں نے اپنی شعری کائنات کی تزئین کاری کی ہے۔ اپنے موضوع کے ماتحت یہاں پر ان کے انہیں اشعار کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کا تعلق نعت اور عرفانیات سے ہے اور انہیں کی روشنی میں یہ طے کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ دھرم پال گپتا وفا کے کلام میں کس نوعیت کا تخیلاتی اور معنوی ارتقا موجود ہے۔ ہم دیکھتے ہیں انسانوں کی بھیڑ سے اٹھنے والے شور میں یوں تو بے انتہا آوازیں شامل ہوتی ہیں لیکن ایک حقیقی اور معنوی دنیا سے تعلق رکھنے والے شاعر کو وہی آواز اپنی طرف کھینچتی ہے جو معنویت و روحانیت سے قریب ہوں۔ گپتا وفا نے انسانوں کے اجتماع سے اٹھتے ہوئے شور سے صرف انہیں آوازوں کو گوش گزار کیا جن میں رازِ خداوندی پوشیدہ ہو۔ ملاحظہ کیجیے کچھ اشعار:

انسان کی خدمت میں ہے رازِ ہستی
ہر سانس کی آواز ہے سازِ ہستی
کر فرض ادا اور نتیجے کو نہ دیکھ
گیتا یہی بتلاتی ہے رازِ ہستی

ہر سانس انا الحق کی صدا دیتا ہے
کیا خوب کھلا دار پہ رازِ ہستی

کلام وفا کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان دوست، محب وطن، قومی یکجہتی کے علم بردار اور بشر نواز شاعر ہیں۔ وہ آدمیوں کے جتماع سے اٹھنے والی آوازوں میں سازِ ہستی اور ہر انسانوں میں موجود رازِ ہستی کو یافت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

”دھرم پال وفا کی شاعری کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی ہے کہ ان کی شاعری میں تمام مذاہب کے گروؤں، دیوی دیوتاؤں، پیروں اور پیغمبروں کی تعریف ان مذہبوں کے بنیادی عقیدوں کے مطابق کی گئی ہے۔ جہاں تک اسلامی عقائد اور اس کے اصولوں کی تفہیم کا سوال ہے اس حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ حضور پاکؐ کی تعریف میں نعتیہ کلام، حضرت علیؑ کی منقبت اور امام حسینؑ کی شہادت کے حوالے سے پیش کیے جانے والے مرثیوں میں کس حد تک اسلام کے بنیادی عقیدوں کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں موجود معنوی امکانات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلامی اصول و عقائد کا گیرائی و گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ حضور پاکؐ اور خانوادہ رسالت مآب کی تعریف و توصیف پر مبنی ہے۔“

اگر ہم گزشتہ اور موجودہ زمانے میں لکھی جانے والی مختلف زبانوں کی ادبی تخلیقات کا جائزہ لیں تو ان میں سے بیشتر تخلیقات معاصر حالات و واقعات سے متاثر نظر آئیں گی۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ان تخلیق کاروں نے الگ الگ نوعیت سے اپنے تخلیقی تجربوں کا اظہار کیا ہے۔ شاعر ہوں یا نثر نگار، اپنی اپنی تخلیقی کاوشوں میں دونوں کو عجب طرح کی نیرنگیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ شاعروں میں اکثر ایسے ہوتے ہیں جو شعر کے موضوع کے انتخاب کے بجائے کسی مترنم لفظ یا خوش آہنگ ترکیب کو کھپانے کی غرض سے شعر کہتے ہیں جس سے بعض دفعہ عمدہ مضمون بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض صرف اپنے مشاہدے کو نقل کر دینا چاہتے ہیں اور مشاہدے کو کن لفظوں اور ترکیبوں کے ساتھ ساتھ پیش کرنا ہے اس سے انہیں غرض نہیں ہوتی۔ جب کہ کچھ ایسے تخلیق کار ہوتے ہیں جو اپنے فن پارے کی صورت گری سے قبل مترنم الفاظ اور خوش آہنگ ترکیبوں کے ساتھ موضوع کو بھی اپنے ذہن میں رکھتے ہیں۔ انہیں میں سے ایک دھرم پال گپتا وفا بھی ہیں، جنہوں نے مختلف شعری اصناف میں اپنی تخلیقات کے جوہر دکھائے اور ہر ایک صنف میں اس کے اصول و لوازم کی نہ صرف پابندی کی بلکہ ان میں اپنے تخلیقیت کا لوہا بھی منوایا۔

جس طرح سے ان کے کلام میں موضوعات کا تنوع، معنوی امکانات، مترنم الفاظ اور شعری آہنگ موجود ہے وہ کم ہی شاعروں میں نظر آتا ہے۔ ان کے کلام کو خواہ جس زاویے سے دیکھا جائے ان میں انسان پیکر بشریت میں ہونے کے باوجود خدائی تخلیق کا ایک بے مثال اور لازوال مظہر نظر آتا ہے۔ اگر چہ دھرم پال گپتا وفا کی آواز اردو شعر و ادب کی دنیا میں کم معروف ہے اور دیر سے سنائی دینے والی آواز ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ہے کہ ایک زمانے تک کم سنائی دینے والی یہ آواز شعری آہنگ اور تخیلات کی بلندیوں سے عاری ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دیر ہی سے سہی وفا کی یہ آواز بہت سی معروف آوازوں پر غالب آجانے کی قدرت رکھتی ہے۔ ان کے کلام کے مطالعے سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی شعری کائنات کسی خاص نظریے، رجحان یا تحریک سے وابستہ نہیں ہے بلکہ انسانیت کی خوبیوں اور مختلف مذاہب میں پائی جانے والی خوشبوؤں کو اپنے اندر لیے ہوئے معلوم ہوتی ہے۔

ہجر جاناں میں بڑے ہی کام کا دل ہو گیا
جلتے جلتے یہ چراغ راہ منزل ہو گیا

☆

مرتبہ دریا کا خود قطرے کو حاصل ہو گیا
قطرۂ ناچیز جب دریا میں شامل ہو گیا

☆

آ کے بیٹھے ہیں دم آخر مری بالیں پہ وہ
زندگی دشوار تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا

☆

غرق ہو کر زیست کی کشتی ٹھکانے لگ گئی
جس کو ہم گرداب سمجھے تھے وہ ساحل ہو گیا

ایک متحرک اور تیز رفتار پیشے یعنی صحافت سے وابستگی کے باوجود گپتا وفا کی شاعرانہ طبیعت میں زود گوئی نہیں ہے بلکہ ان میں خاص قسم کی طمانیت موجود ہے۔ جس کا اندازہ ان کے کلام کے جابہ جا مطالعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں جہاں مختلف النوع موضوعات و مسائل کو پیش کیا ہے وہیں مذہب اسلام اور بانی اسلام سے اپنے جذباتی لگاؤ اور محبت و عقیدت کا بھی کھل کر اظہار کیا ہے۔ یوں تو دھرم پال گپتا وفا نے اپنی شاعری میں ہندوستان میں پائے جانے والے تقریباً سارے مذاہب اور ان کے پیشواؤں کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کے ساتھ اپنی الفت و محبت اور جذباتی لگاؤ کا اظہار بھی کیا ہے لیکن یہ بات سچ ہے کہ کسی بھی عارف، شاعر، ادیب یا صوفی سنت کے خاص دھرم اور مذہب کی پابندی کرنے کے باوجود اگر اس کی نظر میں سب سے اہم کوئی مذہب ہوتا ہے تو وہ انسان دوستی اور بشر نوازی ہے۔ گپتا وفا کے یہاں اسی دھرم اور انسانی جذبے کو سارے نظریوں، تحریکوں اور رجحانوں پر فوقیت دی گئی ہے، جو ان کے کلام میں جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں۔

دھرم پال وفا کی شاعری کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی ہے کہ ان کی شاعری میں تمام مذاہب کے گروؤں، دیوی دیوتاؤں، پیروں اور پیغمبروں کی تعریف ان مذہبوں کے بنیادی عقیدوں کے مطابق کی گئی ہے۔ جہاں تک اسلامی عقائد اور اس کے اصولوں کی تفہیم کا سوال ہے اس حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ حضور پاکؐ کی تعریف میں نعتیہ کلام، حضرت علیؑ کی منقبت اور امام حسینؑ کی شہادت کے حوالے سے پیش کیے جانے والے مرثیوں میں کس حد تک اسلام کے بنیادی عقیدوں کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں موجود معنوی امکانات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلامی اصول و عقائد کا گیرائی و گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ حضور پاکؐ اور خانوادہ رسالت مآب کی تعریف و توصیف پر مبنی ہے۔ ملاحظہ کیجیے نعت کے چند اشعار:

چھڑا کے بت کی پرستش سکھائی تھی وحدت
مرے خیال کی ترویج عام ہو جائے

☆

سکھایا اہل عرب کو برابری کا درس
کہ امتیاز کا قصہ تمام ہو جائے

☆

سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے
کہ دین و دنیا کا سب انتظام ہو جائے

☆

ترے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا
بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہو جائے

☆

رفاہ عام ہی تیرا تھا جب کہ نصب العین
لقب نہ کیوں ترا خیر الانام ہو جائے

جس وقت رسالت مآب ﷺ اور ان کے خانوادے کے بارے میں ان کی شعری تخلیقات وجود میں آتی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئے مدینہ اور وادیِ نجف و کربلا کے سفر پر نکل پڑے ہوں۔ اسی حوالے سے ان کی شعری کائنات کے ایک مخصوص رخ کو سمجھنے کے لیے ان کے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن میں علم و عرفان کی تجلیاں دیکھی جا سکتی ہیں، دیکھیں یہ اشعار:

عرش سے جن پہ فرشتوں کے سلام آتے ہیں
مژدہ باد آج نبیوں کے امام آتے ہیں

بشر جہاں میں وہ اعلیٰ مقام ہوجائے
کہ جس کے دل میں ترا احترام ہوجائے

☆

محبوبِ خدا ہادیٔ دیں فخرِ دو عالم
اے شمعِ ہدیٰ نورِ احد، حسنِ مجسم

وفاؔ دہلوی نے اپنی شاعری کے وسیلے سے ہمیشہ احترام آدمیت اور پیغام انسانیت کو عام کرنے کی کوشش کی ہے۔خواہ جو بھی صورت حال ہو ان کے پیش نظر معیار انسانیت اور وقار آدمیت کی بقا اولین فریضہ ہے۔ مسجدوں میں رسول ﷺ عربی کی صلائے عام میں نماز، روزہ، حج اور دوسرے اسلامی ارکان کی بازگزشت سنائی نہیں دیتی، بلکہ اس پیغام رسالت مآب میں جو سب سے اہم اور بامعنی جملہ سنائی دیتا ہے وہ دوسری قوموں کے ساتھ باہمی سلوک روا رکھتے ہوئے اپنے پرائے کا تصور چھوڑ دینا ہے۔جس وقت انسان کے دل میں احترام بشریت گھر کر جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ صحیح معنوں میں انسان دوستی اور مذہب شناسی کے جوہر سے مالامال ہو چکا ہے۔

دھرم پال گپتا وفاؔ نے اپنی شاعری میں منقبت کو بھی خصوصی طور پر جگہ دی ہے۔انہوں نے نہ صرف حضرت علیؓ سے اپنی بے پناہ عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے بلکہ ان کے بیٹے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نواسے امام حسینؑ کی لازوال قربانی کو بھی انسانیت کے لیے احسان عظیم قرار دیا ہے۔ظاہر ہے کہ حق و باطل کی اس جنگ میں شہادت کے باوجود حق کی لازوال فتح کا پرچم بلند رہا اور اسلام کا پیغام امن و آشتی دنیا کے سامنے امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی قربانیوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔کربلا کی اس جنگ کے بعد قیامت تک کے لیے امام حسینؑ حق اور یزید باطل کا استعارہ بن گیا۔دھرم پال گپتا وفاؔ نے جس طور پر امام حسینؑ کی شخصیت کا عرفان حاصل کیا اس کا اندازہ درج ذیل اشعار سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

سلامی ابن حیدر، جنگ کرنے رن میں آتے ہیں
مہ و خورشید حاضر کے لیے سر کو جھکاتے ہیں

☆

چراغ حق پرستی اک نظر سے کرتے ہیں روشن
جہاں میں شمعِ باطل اپنے دامن سے بجھاتے ہیں

☆

کفن سے رہ گئیں محروم لاشیں جب شہیدوں کی
تو ذرے خاک کے روئے لپٹ کر جسمِ اطہر سے

کہا جا سکتا ہے کہ وفاؔ دہلوی ایک بڑے شاعر ہیں۔ان کے یہاں بڑی شاعری کے امکانات موجود ہیں۔بڑی شاعری کے لیے صرف جذبات ہی اہم نہیں ہوتے بلکہ وہ شاعرانہ قالب بھی اہم ہوتا ہے جو ان جذبوں میں شاعرانہ رفعت و بلندی پیدا کرتا ہے۔ان کی شاعری نہ تو رجحانوں کے زیر سایہ پروان چڑھی اور نہ ہی رجحانوں کے زیر اثر ان کی تفہیم کی جانی چاہیے۔رجحانات آتے رہیں گے لیکن انہوں نے جن موضوعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں۔

□□□

نعت

اس بزمِ کائنات کے سلطان آپ ﷺ ہیں
عالی نسب زمانے میں انسان آپ ﷺ ہیں

کلمہ خدا کا آپ ﷺ نے ہم کو پڑھا دیا
مومن کی ساری دنیا میں پہچان آپ ﷺ ہیں

حاصل لقب ہے رحمتِ عالم کا آپ ﷺ کو
سارے جہاں کے واسطے فیضان آپ ﷺ ہیں

ہر شخص اس وبا سے پریشان ہے بہت
امت کے ہیں سہارا نگہبان آپ ﷺ ہیں

نقشِ نبی بنے گا وسیلہ نجات کا
اسلام کے اصول کی پہچان آپ ﷺ ہیں

پائیں جہاں کی نعمتیں ہیں آپ ﷺ کے طفیل
انعام ربِ پاک کا عرفان آپ ﷺ ہیں

جس نے عمل کیا کرتے اسے جنت ملی ظفرؔ
قرآن آپ ﷺ معانیٔ قرآن آپ ہیں

ظفر اقبال ظفرؔ
کھیلدار، فتح پور، اتر پردیش
8756433896

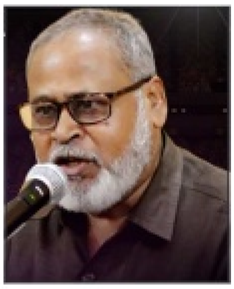

ڈاکٹر مخمور کاکوروی

چودھری محلہ، کاکوری، لکھنؤ

9450097929

ہندوستان میں نعت گوئی کی روایت آزادی کے بعد

اردو میں نعت گوئی کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی شاعری کی۔ ابتدا سے آج تک تقریباً ہر چھوٹے بڑے شاعر نے بطور نذرانہ عقیدت نعتیہ کلام یادگار چھوڑا ہے۔ قدیم شعرا کے دواوین کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تقریباً ہر شاعر نے اپنے کلام میں تبرک کے طور پر حمد و نعت کو شامل کیا ہے۔ اس میں ہندو مسلمان، سکھ عیسائی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ نعت گوئی کے توسط سے بیشتر شعرا نے رسول اکرم تاجدار مدینہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اپنے اسلوب اور انداز میں کیا ہے۔ نعت گوئی نہایت دشوار شاعرانہ عمل ہے۔ اس راہ میں ذرا سی لغزش شاعر کی دنیا و آخرت دونوں تباہ و برباد کرنے کے ساتھ جہنم کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ اس لیے نعت گوئی میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ فارسی کے معروف نعت گو شاعر عرفی شیرازی نے ہزار بار منہ کو مشک و گلاب سے دھونے کے بعد بھی حضور اکرم کا نام لینا کمال بے ادبی تصور کیا ہے اور نعت گوئی کو تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف قرار دیا ہے۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

....

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

اسی مفہوم کو راقم الحروف (مخمور کاکوروی) نے اردو میں اس طرح نظم کرنے کی کوشش کی ہے۔

نعت گوئی میں کہیں لغزش کی گنجائش نہیں
پاؤں اس وادی میں رکھنا اے سخنور دیکھ کر

....

قدم رکھنا سنبھل کر وادیٔ مدحِ محمدؐ میں
جہاں کچھ فائدے ہیں اس میں، کچھ نقصان بھی تو ہیں

....

نعت پاک کافی نازک صنف سخن ہے اس کی اہمیت و افادیت کے سلسلے میں پروفیسر ملک زادہ منظور احمد رقم طراز ہیں:

"ممکن ہے کہ کچھ ارباب نقد و نظر کے نزدیک یہ بات محض تکلف یا عقیدت کی ہو مگر میرا خیال ہے کہ مختلف اصناف سخن میں نعت گوئی سے زیادہ مشکل کوئی اور صنف سخن نہیں ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ شاعر کو فکری اور فنی دونوں سطحوں پر متضاد اور ایک دوسرے سے نبرد آزما جذبات و احساسات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، عقیدت اور محبت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان سب ہی ظاہری محاسن اور کمالات کے ساتھ ان باطنی تصرفات سے ذات نبوی کو متصف کر دیا جائے جو ہمارے تصور میں آسکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ الوہیت اور نبوت کے درمیان کی باریک سرحد کو ہماری محبت اور وارفتگی نادانستہ طور پر پار کر جاتی ہے اور ہم جذبات کی رو میں بہک کر نہ صرف شریعت کا استخفاف کر دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات شرک کے بھی مرتکب ہو جاتے ہیں..."

"اردو میں نعتیہ شاعری کا سب سے روشن اور تابناک دور انیسویں صدی میں تھا جب شمالی ہند میں اس صنف سخن پر خاص توجہ دی گئی اس صدی کے نصف اول ہی میں بڑے قد آور شاعر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ خصوصاً مولانا غلام امام شہیدؔ، کرامت علی خاں شہیدیؔ، علامہ محسنؔ کاکوروی، امیرؔ مینائی اور منیرؔ شکوہ آبادی نے نعت گوئی کو حد کمال تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان شعرا نے قصیدہ اور مثنوی میں نعت لکھ کر عقیدتوں کے نذرانے پیش کیے۔ یہی نہیں الطاف حسین حالیؔ، اکبرؔ الہ آبادی، علامہ اقبالؔ، ظفر علی خاں، مولانا محمد علی جوہرؔ، احمد رضا خاں فاضلؔ بریلوی، حسنؔ بریلوی، مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ، دلو رام کوثریؔ اور بیدمؔ شاہ وارثی نے صنف نعت کے وزن و وقار میں غیر معمولی اضافہ کیا۔"

ایک اچھے اور کامیاب نعت گو کو نہ صرف تضاد شعر و شریعت کو اپنے
کلام میں ہم آہنگ کرنا پڑتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دل پر عقل اور عشق
پر علم کو پاسبان بنائے رکھنا پڑتا ہے۔"

(ایک تاثر مشمولہ "نعت پاک کی اہمیت" مرتبہ ساجد صدیقی، ۱۹۹۵ء ص: ۱۴)

اردو میں نعتیہ شاعری کا سب سے روشن اور تابناک دور انیسویں صدی میں تھا جب شمالی ہند میں اس صنف سخن پر خاص توجہ دی گئی اس صدی کے نصف اول ہی میں بڑے قد آور شاعر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ خصوصاً مولانا غلام امام شہید، کرامت علی خاں شہیدیؔ، علامہ محسنؔ کاکوروی، امیرؔ مینائی اور منیرؔ شکوہ آبادی نے نعت گوئی کو حد کمال تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

آزادی کے بعد نعتیہ شاعری کے افق پر جو شعرا نمودار ہوئے اور جنھوں نے اپنی تخلیقات سے سرمایہ نعت میں گراں قدر اضافے کیے ان میں اقبال سہیلؔ، شفیقؔ جونپوری، انورؔ صابری، حفیظؔ جالندھری، مولانا ابوالوفا عارفؔ شاہجہانپوری، بہزادؔ لکھنوی، ماہرؔ القادری، زائر حرم حمیدؔ صدیقی، شہبازؔ امروہوی، الم مظفر نگری، ضیاء القادری، بالمکند عرشؔ ملسیانی، دردؔ کاکوروی، عمرؔ انصاری، مصورؔ لکھنوی، اثرؔ زبیری اور ساجد صدیقی جیسے باکمال شعرا شامل ہیں۔

لکھنؤ ضلع کا معروف قصبہ کاکوری جس کی ادبی تاریخ نہایت شاندار ہے، اس قصبہ کے جن دو شاعروں نے نعت گوئی میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں اور جن کو اس حوالے سے بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے، ان میں ایک نام حسان الہند علامہ محسنؔ کاکوروی کا ہے اور دوسرا نام میر نذر علی دردؔ کاکوروی کا ہے۔ علامہ محسنؔ کاکوروی نے خود کو نعتیہ شاعری کے لئے وقف کر دیا تھا اور مختلف اصناف میں نعت گوئی کے جوہر دکھائے۔ ان کی ہر صنف سخن میں نعت کہنے کی تمنا تھی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

....

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ
کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لئے

کاکوری کے دوسرے اہم نعت گو شاعر میر نذر علی دردؔ کاکوروی (۱۹۷۲ء۔ ۱۸۹۱ء) بیک وقت کئی حیثیتوں کے مالک تھے۔ انھوں نے نہ صرف شاعری کی مختلف اصناف مثلاً حمد، نعت، غزل، قصیدہ، نظم، مرثیہ، مثنوی، قطعہ، رباعی، وغیرہ پر طبع آزمائی کی بلکہ نثر نگار کی حیثیت سے بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ دردؔ کاکوروی نے بحیثیت نثر نگار مختلف موضوعات پر تحقیقی اور تنقیدی، سوانحی اور تاریخی، مذہبی اور اخلاقی نیز تصوف و معرفت کے حوالے سے مضامین سپرد قلم کئے ہیں۔ وہ تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ دردؔ کاکوری نے نثر و نظم میں تین درجن سے زیادہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں اردو اور شمالی ہند، امیر خسرو اور ان کا اردو کلام، دلائل الخیرات، سیرت سرور کائنات، سیرت قادری، عاشورہ، بارہ امام، سماع کی حقیقت، گلشن کرامت، مرقومات بے مثال، میلاد پیغمبر نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد شعری مجموعے میکدۂ معنی، جذبات درد، متاع درد، جام کوثر، دردکا درماں، سرور وحدت، صوفیانہ نظمیں، مناجات مکرم وغیرہ بھی یادگار چھوڑے ہیں۔

نعتیہ شاعری ہر حال میں اپنے عقیدے اور جذبے کا اظہار ہوتی ہے عقیدت کا یہ جذبہ ضروری نہیں کہ اعلیٰ درجہ کے فن یا بلند پایہ شاعری کی شکل میں ظاہر ہو لیکن کوئی بھی شاعر شعری روایات کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ دردؔ کاکوروی نے بھی مثالی نعت گوئی کو مشعل راہ بنایا اور انھوں نے اعلیٰ درجہ کے شاعروں کے نعتیہ کلام کی تضمینیں بھی کی ہیں۔ نعتیہ شاعری میں دردؔ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے جذبات عقیدت کا نہایت موثر اور سوز و گداز سے بھرپور والہانہ اظہار کیا ہے۔ جس میں زبان و بیان کی سادگی بھی ہے اور اثر انداز ہونے کی صلاحیت بھی۔ اس رنگ کی نعت گوئی میں ان کی انفرادیت قائم رہتی ہے۔ نعت گوئی سے ان کا بنیادی مقصد اپنے لئے دنیا اور عقبیٰ میں بہتری کی طلب ہے۔

نعتیہ شاعری میں قصیدہ کا شکوہ، رنگین بیانی اور مرصع زبان شاعرانہ کمال کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ آمد سے زیادہ آورد، زبان پر ماہرانہ قدرت، ترکیب بندش، شعری روایتوں سے آگاہی اور صنائع و بدائع سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔ دردؔ کاکوروی نے فارسی اور اردو کے ممتاز شاعروں کے کلام پر جو تضامین کہی ہیں ان میں ان کی معلومات اور صلاحیتوں کی بھرپور جھلک نظر آتی ہے۔ بہت سی نعتیں انھوں نے مشہور نعتیہ نظموں اور قصیدوں کی زمین میں بھی کہی ہیں علامہ محسنؔ کاکوروی کی زمین میں بھی انھوں نے ایک نعتیہ نظم کہی ہے جس کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کہا جب یا محمدؐ حق نے حرف کن کے دفتر میں
مجسم ہو گیا نور خدا محبوب پیکر میں
عجب پھیلی ہے خوشبو صبح میلاد پیمبرؐ میں
جہاں کا ذرہ ذرہ بس گیا ہے کس گل تر میں
تجلی نور مطلق کی مقید ہے یہ منظر میں
ڈھلا ہے یا خدا کا نور اس پاکیزہ پیکر میں

ان کی نعت گوئی میں جو کیفیت ہے وہ سادہ گوئی میں بھی نظر آتی ہے اور مرصع زبان میں بھی۔ لیکن ان کے شاعرانہ کمال کا اظہار دراصل اس مرصع زبان میں ہوا ہے۔ جس میں قصیدوں کی آب و تاب نظر آتی ہے۔ ایسی ہی ایک نعت "بہار ولادت ختم المرسلین" ہے۔ جس کی ابتدا کچھ اس طرح ہوتی ہے

ولادتِ حضور کی عجیب کچھ بہار ہے
خدا جو نور بار ہے بہشت جاں نثار ہے
نسیم مشک بار ہے شمیم عطر بار ہے
بنفشہ اور یاسمن قطار در قطار ہے
جو دشت و کوہ سار ہے عجیب لالہ زار ہے
روش جو سبزہ زار ہے بہار ہی بہار ہے

دردؔ کاکوروی کی نعتیہ شاعری اس بات کی غماز ہے کہ ان کے پاس جذبوں کی فراوانی ہے۔ والہانہ عقیدت کا جذبہ ان کی نعتیہ شاعری کا محرک ہے ان کی نعتوں میں مختلف رنگ و آہنگ نظر آتے ہیں۔ جذبوں کی صداقت بھی ہے قلب کی پاکیزگی اور روح کی وارفتگی بھی۔ وہ ایک صوفی شاعر کی حیثیت سے ساری کائنات میں ایک ہی نور کا جلوہ دیکھتے ہیں اور اس دنیا میں نور ازل کا سب سے بڑا مظہر ان کو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی نظر آتی ہے۔ عشق نبی ان کے لئے سرمایہ حیات ہے۔ وہ رضائے حق میں فنا ہو کر دشت کو فردوس بنانے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ یہ کام رسول اکرمؐ کے دیوانے ہی کر سکتے ہیں اور ان پروانہ نما دیوانوں سے دوزخ کو بھی سرد ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

فنا ہو کر رضائے حق میں اس رتبے کو پہنچے ہیں
بنا دیں دشت کو فردوس دیوانے محمدؐ کے
کہا کرتی ہے دوزخ سرد ہو جاؤں نہ میں بالکل
نہ آنے پائیں میرے پاس پروانے محمدؐ کے

ہندوستان میں آزادی کے بعد نعت گوئی کی روایت بہت مستحکم ہوئی ہے نعت گوئی کے امکانات وسیع اور مستقبل خاصا روشن ہے سال بہ سال بڑی تعداد میں نعتیہ مجموعے منظر پر آرہے ہیں یہی نہیں ادھر چند برسوں میں نعتیہ شاعری کے کئی دیوان بھی شائع ہوئے ہیں جن میں محمد فاروق جاذبؔ لکھنوی کا دیوان "کشف الدجیٰ" اور احسن اعظمی کا نعتیہ دیوان "بہارِ عقیدت" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یقین ہے کہ یہ سلسلہ اور آگے بڑھتا رہے گا اور نعت گوئی روز افزوں فروغ پاتی رہے گی۔

□□□

ڈاکٹر محمد مستمر

اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو ذاکر حسین دہلی کالج، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

8920860709

علیم اختر مظفر نگری کی نعتیہ شاعری

علیم اختر مظفر نگری کا اصل نام عبدالعلیم تھا لیکن وہ اپنے تخلص اور ضلع کی نسبت ’علیم اختر‘ کے نام سے ہی مشہور ہوئے حالانکہ ان کی تمام عمر دہلی میں ہی گزری اور وہیں حضرت باقی باللہ قبرستان میں مدفون بھی ہیں لیکن انہوں نے شیخ ابراہیم ذوق کی طرح دہلوی بننا پسند نہیں کیا۔ ان کی ولادت ۶ رجون ۱۹۱۴ء کو ضلع مظفر نگر کے ایک قریہ حسین پور بسیڑا میں ہوئی۔ انہوں نے صرف ادب وصحافت کو ہی اپنا ذریعۂ معاش بنایا اور تمام عمر مشہور ومقبول رسائل شمع، شبستاں اور کھلونا کی ادارت کرتے رہے۔ اردو شعر وادب اور قلم کا یہ سپاہی ۲۱ رجون ۱۹۷۲ء کو اس فانی دنیا سے پردہ پوش ہو گیا۔ ان کے شعری مجموعوں میں نکہتِ گل، بوئے جمال اور انوارِ حرم خصوصیت کے حامل ہیں۔ بنیادی طور پر تو علیم اختر ایک خالص غزل گو شاعر ہیں۔ غزل گوئی کے ساتھ ساتھ جہاں انہوں نے نظم گوئی کے فن کو سنوار کر اسے زینت بخشی۔ وہیں انہوں نے ان دونوں امور کے ساتھ نعت گوئی کے فن کو بھی آراستہ و پیراستہ کیا۔ یہ امر آراستہ و پیراستہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس صنفِ سخن کو ایک نئی جہت، نئی سمت عطا کر کے اس کو پروان بھی چڑھایا۔ شاعری کے لئے ایک خاص مزاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی موضوع کے تئیں اپنے مزاج کو اس سانچے میں ڈھالنا بہت دقیق کام ہے۔ اگر یہ سہل کام ہوتا تو مومن، میر، غالب، اقبال وغیرہ کا کلام نعت گوئی کے فن سے محروم نہ ہوتا۔ ایسا نہیں کہ میں ان کی قادر الکلامی پر انگشت نمائی کر رہا ہوں بلکہ نعت گوئی کی طرف اپنی طبیعت و مزاج کو راغب کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ ذرا سی لغزش پاسے کلام میں بدنمائی آجاتی ہے نیز کلام کا حسن اور رعنائی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے بہت کم شعرا نے اس صنف میں طبع آزمائی کی اور اسے پروان چڑھایا ہے۔ یہ دیگر بات ہے کہ شاعر نے ایک دو نعت عقیدتاً رسالت مآب کی بارگاہ میں پیش کر دی ہو۔

علیم اختر مظفر نگری کو اللہ نے وہ صلاحیت عطا کی تھی کہ اس نعت گوئی جیسی صنفِ نازک میں بھی انہوں نے اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔ انہوں نے نہ صرف اس میں اپنی دلچسپی دکھائی بلکہ اسے نئی سمت دکھا کر عروج بھی بخشا۔ چند شعرا کو چھوڑ کر ہمارا اردو ادب اس مرغوب صنفِ سخن سے خالی نظر آتا ہے۔ مگر علیم اختر جیسے کہنہ مشق شاعر نے اس خلا کو پُر کیا۔ ان کے پہلے مجموعہ کلام ’نکہتِ گل‘ میں سات نعتیں بھی شامل ہیں۔ لیکن بعد میں ان کا نعتیہ مجموعہ کلام ’انوارِ حرم‘ کے نام سے منظر عام پر آیا۔ جس میں ’نکہتِ گل‘ کی نعتیں بھی شامل ہیں۔ یہ ایک مختصر سا مجموعہ کلام ہے۔ جس میں بارگاہِ خداوندی میں حمد سے دستک دی ہے اور جس ذاتِ خداوندی کی ایک نعمت کا بھی ہم شکر ادا نہیں کر سکتے، اس حمد کی وساطت سے اُس ذات کے آگے سر بجود ہونے کی کوشش کی ہے۔ ’انوارِ حرم‘ کا یہ نعتیہ کلام اگرچہ طوالت لیے ہوئے نہیں ہے مگر پھر بھی ایک ایک لفظ میں علیم اختر نے سرورِ کائنات کے اسرار و رموز کی وہ باتیں کی ہیں کہ جس سے ذاتِ اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے تئیں ہزاروں صفحات پر کیے جاسکتے ہیں۔ پھر نبی کریمؐ کی تو وہ ذاتِ گرامی ہے کہ ان کے متعلق کہے جانے والے ایک لفظ کی تشریح کے لیے بھی بحرِ علوم ہونے کی ضرورت ہے۔ اصنافِ شاعری میں نعت گوئی حقیقتاً سب سے نازک صنف ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی جس پر خود خالقِ کائنات اور ملائکہ و قدسی بھی درود و سلام بھیجیں، ایسی پاک ہستی پر قلم چلانا آسان کام نہیں ہے۔ اس صنفِ سخن میں نبی کریم کے تئیں جو عقیدے کا اظہار کیا جاتا ہے، وہ بڑا نازک مسئلہ ہوتا ہے۔ شاعر ایسے لفظوں کا انتخاب کرتا ہے کہ جو اعتدال کے قالب میں ڈھلے ہوتے ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ نعت گوئی کا تعلق زیادہ تر قوتِ عقلیہ سے ہے اور قوتِ عقلیہ کے اعتدال کا وہ درجہ جسے ہم ’حکمت‘ کہتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ بہت سے لوگ قوتِ عقلیہ کے افراط کا درجہ ’جزیرہ‘ سے کام لیتے ہیں۔ جہاں وہ غلو کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ نعت گوئی کے لئے ’حکمت‘ کا درجہ سب سے صحیح ہے۔ حکمت کے دائرے میں نعت گوئی کے علاوہ دیگر صنف جیسے قصیدہ و مرثیہ میں بھی عقیدے پر حرف نہ آئے گا۔

”کون انسان ایسا ہے کہ جس کو دیارِ مدینہ جانے کی حسرت و تمنا نہ ہو۔ یہ حسرت ایک فرطِ شوق ہے جو کبھی کم نہیں ہوتا ہے۔ تصور ہی تصور میں تصاویر و مناظر گھومتے رہتے ہیں کہ مدینے کے در و دیوار کیسے ہوں گے؟ گنبدِ خضر کے مینار، روضۂ اقدس، وغیرہ کو دیکھنے کا اشتیاق ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ علیم اختر کی شریانوں، لاشعوری نہاں خانوں اور دل و دماغ میں مدینے کی زیارت کا شوق اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ان کے سر پر ایک وجدانی کیفیت اور جنون کی حالت طاری ہے۔ چاروں طرف فضا میں نغمے کھنکتے ہوئے سنائی دے رہے ہیں۔ تصور و خیال کی دنیا میں حضور صلعم سے وہ جدائی کی حالت میں بھی گفتگو کر رہے ہیں اور نبی کریمؐ کے شانوں پر بکھرے ہوئے گیسوئے مشک بھی دیکھ رہے ہیں۔ عشقِ رسولؐ کا یہ عالم ہے کہ پوری فضائے مشام کو مہکا ہوا محسوس کر رہے ہیں۔“

نعت گوئی کا تعلق نبی کریمؐ کی ذاتِ اقدس سے ہے۔ جس کی وجہ سے پوری کائنات کا وجود ہے۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ دل میں نبی کریم کا خیال نہ لاتا تو پوری دینا کا وجود ہی نہ ہوتا۔ جنت کے سردار کہ جن کے طفیل سے پیغمبروں کی بھی دعائیں قبول ہوئیں۔ نبیوں نے جس کا امتی ہونے کی دعائیں مانگی ہوں۔ عرشِ معلی پہ قلم کو آپ کا نام لکھتے ہوئے ہزاروں سال کا عرصہ گذر گیا۔ وہ ذاتِ اعلیٰ کہ جس کو اللہ نے اپنے نور سے پیدا کیا ہو اور پھر اس کے نور سے پوری کائنات کی تخلیق کی ہو۔ اس پر کچھ لکھنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ لیکن جس کو حضور کی ذات سے والہانہ عشق ہو اور اپنے زوم زوم کو اللہ کا مقروض سمجھتا ہو اس کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ نعت گوئی کی نسبت عشقِ حقیقی سے ہے اور اس فن کی طرف وہی محو متوجہ ہوتے ہیں جن میں عشقِ رسول اور ذاتِ الٰہی کا جذبہ سرشار ہوتا ہے۔

مولانا علیم اختر ایک درویش منش قسم کے انسان تھے۔ حضرت حسین مدنیؒ سے مریدی کا شرف حاصل تھا۔ 'انوارِ حرم' کا انتساب اپنے شیخ کامل حضرت حسین مدنیؒ سے ہی کیا ہے۔ حضور کی ذات سے والہانہ عشق تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس کے قبضے میں تمام چیزوں کی جان ہے اور جس کے ہاتھ میں پوری دنیا کی باگ ڈور ہے جس کے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا، وہ اللہ کی ذات ہے۔ علیم اختر نے 'انوارِ حرم' کے شروع میں مناجات کے دو شعر اور حمد لکھ کر اس ذاتِ خداوندی کا شکر ادا کیا ہے جو تمام دنیا کا خالق ہے۔ کونین کا مالک ہے۔ جس کا کوئی ساتھی نہیں اور کوئی اس کے ثانی نہیں۔ جو غفور الرحیم ہے۔ تمام عیوب سے پاک ہے۔ رب العالمین ہے۔ حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ چاند سورج، زمین آسمان، کوہ و دمن، جنگل و بن، بحر و بر وغیرہ سب کچھ اسی کے قبضے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کسی کا مرتبہ ہے تو وہ نبی کریم کی ذاتِ گرامی ہے۔ کون شخص ہوگا کہ نبی کریم کا نام آئے اور وہ درود و سلام نہ بھیجے؟ کس کے کان محمد کا نام سننا پسند نہیں کریں گے؟ علیم اختر نے نبی کریم کی ذاتِ گرامی کے تئیں درود و سلام کے ساتھ نعت لکھ کر وہ کام کیا کہ ان کی نعمتوں کو پڑھ کر لوگ دلوں پر رقت و وجد محسوس کریں گے، جھومیں گے اور ایک سرمستی حاصل کریں گے۔ نشہ و کیف حاصل کریں گے۔ وہ سرمستی و نشہ جو شرابِ طہورا سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم علیم اختر کی نعت گوئی کا جائزہ یہاں پیش کریں گے۔ جس میں مولانا علیم اختر کی للٰہیت بھی ہے۔ خلوص بھی ہے، عشق بھی، والہانہ محبت بھی شامل ہے۔ علیم اختر کی فنی صلاحیتوں نے کس طرح اپنے کلام میں عاشق رسول کے تئیں ابھرنے والے جذبہ کو سمولیا ہے، وہ ان طرۂ امتیاز ہے۔ علیم اختر کی نعت گوئی میں ہمیں تازگی، شگفتگی، نغمگی، جدت، ندرت، شائستگی و دیگر نعت گویوں سے الگ لب ولہجہ، طرز و اسلوب اور اندازِ بیان نظر آتا ہے۔

حقیقت میں وہ نعت گوئی کے معاملے میں صاحبِ طرز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی تمام نعتیں عنوانی ہیں۔ 'انوارِ حرم' مجموعے میں سب سے پہلی نعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ ذات کہ جس کی پیدائش سے بے شمار عجائبات کا ظہور ہوا۔ ایران کا آتش کدہ جو ہزاروں سال سے دہک رہا تھا ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ اسی لئے نبی کریم کی پیدائش کو ظہورِ رحمت کہا گیا ہے۔ نبی کریم کی ولادت باسعادت پوری دنیا کے لئے باعث مسرت ثابت ہوئی۔ پوری دنیا میں رحمتوں کا نزول ہونے لگا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ چمک اٹھا۔ آمنہ کا گھر مسرتوں اور خوشیوں سے بھر گیا۔ آمنہ کا گھر گھر نہیں بلکہ جنتِ بہاراں بن گیا۔ محمد کی ولادت کے باعث حلیمہ کا مقدر بھی جاگ اٹھا۔
چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

معجزہ فرطِ محبت کا نمایاں ہو گیا
حسنِ یزداں صورتِ تصویرِ انساں ہو گیا
آمنہ بنت وہب کو پھول اک ایسا ملا
صحنِ بیت اللہ فردوسِ بہاراں ہو گیا

مذکورہ بالا اشعار میں معجزۂ فرطِ محبت، حسنِ یزداں، صورتِ تصویرِ انساں، فردوسِ بہاراں، دیدہ زمیں، رنگِ بہار، یہ ایسے مرکب الفاظ ہیں کہ جنھیں پڑھ اور سن کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور دماغ میں ایک سرمستی نیز دل پر ایک رقت طاری ہو جاتی ہے۔ سراپا وجود عشقِ رسول میں جھومنے لگتا ہے اور ایک جمالیاتی انبساط کا احساس ہوتا ہے۔ ان اشعار میں دو لفظ حسنِ یزداں اور دیدہ زمیں علامت کے طور پر استعمال کیے ہیں۔ ان دونوں لفظوں سے کلام میں نہایت فصاحت آگئی ہے۔ یہاں نورِ خدا اور تجزیہ میں سے وہ بات نہیں آسکتی تھی۔ لہٰذا دیدہ زمیں ترکیب اور بندش سے تو فن کا روپ ہی نکھر گیا ہے۔

مرحبا و صد آفریں شانِ محمد پر کہ جس کے طفیل سے عالم کا وجود ہے۔ ہر چیز محمد کی احسان مند ہے۔ ان کی ذات گرامی مکمل رحمت ہے۔ جس کی حمد و ثنا ہم کر سکتے نہیں۔ ہم کیا مدح کر سکتے ہیں کہ جس کی تعریف خود اللہ تعالیٰ کرتا ہو۔ جس کے لیے کوئی حجاب نہیں۔ لیلۃ الاسرا میں تمام حائل پردے ہٹا دیے گئے۔ مقام سدرہ کو بھی پار کر دیا۔ جس کے لیے اللہ نے تمام عرش کے پردے ہٹا دیے ہوں اس کی تعریف پھر خدا بھی کیوں نہ کرے گا۔ یہ شعر دیکھیے:

اللہ غنی رتبہ سرکارِ مدینہ
ہیں دونوں جہاں تابعِ فرمانِ محمدؐ
کیا جن و بشر حور و ملک، کیا یہ دو عالم
ہر چیز ہے شرمندہ احسانِ محمدؐ
کس منہ سے کریں مدحتِ سرکارِ دو عالم
اختر کہ خدا خود ہے ثنا خوانِ محمدؐ

علیم اختر مظفر نگری نے حضور رسالت مآب کے حوالے سے مدینے کے مسافروں کا بھی ذکر بڑے خلوص، محبت اور عشقیہ انداز میں کیا ہے۔ کوئی مسلمان حج ادا کر کے آئے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی زیارت اور مصافحہ کا شرف حاصل کرنے کی ایک عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ بڑی تعظیم و اکرام کے ساتھ لوگ اس سے پیش آتے ہیں۔ حاجی کا اپنے گھر پر آنا مبارک تسلیم کرتے ہیں۔ نیز لوگوں کی زبان پر عقیدتاً الفاظ حاجی کے تئیں بے ساختہ نکلتے ہیں۔ گنبدِ خضرا اور سنگِ اسود کی زیارت سے حاجیوں کے چہرے پر لوگ ایک نور کا احساس کرتے ہیں۔ شعر دیکھیے:

مدینے کے مسافر آرہے ہیں
مرادِ شوق بنتے جا رہے ہیں
اٹھے چھوٹے بڑے تعظیم دینے
عزیز و اقربا آئے ہیں لینے
جبینِ شوق پر سجدے منور
یہ حسنِ بندگی اللہ اکبر

مندرجہ بالا اشعار میں دیکھیے کہ مولانا کا زائرانِ حرم کے تئیں کتنا خلوص و عشق اور احترام ہے۔ یہ سب حضور پاک کی نسبت سے ہی تو ہے۔ زائرانِ مدینہ کے مقدر بھی محمدؐ کے طفیل جاگ گئے ہیں۔ ان اشعار میں الحاج کے تئیں جس شوق و محبت و خلوص اور احترام کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری جانب علیم اختر کا اسلوب و طرزِ نگارش کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ نعت مثنوی کے فارم میں چھوٹی بحر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ حسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ دل کو رمزِ عشق کے ساتھ فرحت بخشی کا بھی احساس ہوتا ہے۔

علیم اختر ہی کیا؟ کون انسان ایسا ہے کہ جس کو دیارِ مدینہ جانے کی حسرت وتمنا نہ ہو۔ یہ حسرت ایک فرطِ شوق ہے جو کبھی کم نہیں ہوتا ہے۔ تصوری تصور میں تصاویر و مناظر گھومتے رہتے ہیں کہ مدینے کے در و دیوار کیسے ہوں گے؟ گنبدِ خضر کے مینار، روضہ اقدس، وغیرہ کو دیکھنے کا اشتیاق ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ علیم اختر کی شریانوں، لاشعوری نہاں خانوں اور دل و دماغ میں مدینے کی زیارت کا شوق اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ان کے سر پر ایک وجدانی کیفیت اور جنون کی حالت طاری ہے۔ چاروں طرف فضا میں نغمے کھنکتے ہوئے سنائی دے رہے ہیں۔ تصور و خیال کی دنیا میں حضور صلعم سے وہ جدائی کی حالت میں بھی گفتگو کر رہے ہیں اور نبی کریم کے شانوں پر بکھرے ہوئے گیسوئے مشک بھی دیکھ رہے ہیں۔ عشقِ رسول کا یہ عالم ہے کہ پوری فضائے مشام کو مہکا ہوا محسوس کر رہے ہیں۔ لاشعور کے نہاں خانوں میں نور ہی نور سماتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اب ہر نفس ہے عطر فروشِ مشامِ جاں
بکھرے ہوئے ہیں دوش پہ گیسوئے مشک بو
جیسے کوئی سنائے مجھی کو مری غزل
نغمے کھنک رہے ہیں فضاؤں میں چار سو
اختر، خیالِ دوست میں کھویا ہوں اس طرح
خود مجھ کو ڈھونڈ تا ہے مرا ذوقِ جستجو

ان اشعار میں مولانا علیم اختر کا تخیل، خلوص ومحبت اور عشق کا جذبہ دیکھیے کہ وجد کی یہ کیفیت ہے کہ خود فرما رہے ہیں کہ اختر اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالوں میں کھو گیا ہے کہ خود ذوقِ جستجو علیم اختر کو تلاش کر رہا ہے۔ ان شعروں میں علیم اختر کا اسالیب فکر بالکل جدا نظر آ رہا ہے۔ الفاظ نہایت شگفتہ، برجستہ، تازگی اور شبنمی کیفیت لیے ہوئے ہیں۔ ایک ایک لفظ میں فصاحت ہے۔ آمد کا بھرپور احساس ہوتا ہے گو کہ ناہید شاعری نے پیغام سروش لاشعوری نہاں خانوں سے شعور پر مرتسم کر دیا ہو۔ ناہید شاعری کی تو بات الگ ہے جو عاشقِ رسول ہو اس پر کیوں نہ الہامی کیفیت اور کشف کی حالت ہوگی۔ تیسرے شعر میں علیم اختر کا موضوعِ تخیل کے ساتھ اسلوبِ فکر دیکھیے بالکل دیگر شعرا سے مختلف ہے۔ اقبال نے اس خیال کو اپنے یہاں کبھی اس طرح باندھا تھا:

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

لیکن علیم اختر نے مذکورہ بالا تیسرے شعر میں جو فکر و احساس کا اسلوب عطا کیا ہے وہ بالکل اقبال سے الگ ہے۔ اس میں علیم اختر کا اپنا رنگ و آہنگ ہے نیز شعر پر اس طرح تامل فرمایا ہے کہ افراط و تفریط سے بری ہو کر اعتدال کے درجے کو اپناتے ہوئے وجدانی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ جس سے شعر میں بے پناہ وسعت للّٰہیت، عشقیہ جذبہ اور معنویت پیدا ہو گئی ہے۔

ایسا عاشقِ رسول جسے اپنی سدھ بدھ نہ ہو، ذوقِ جستجو میں بے خودی کے عالم میں ایک عاشقِ رسول وخدا کیا کر گزر نہیں سکتا۔ ضرور اس کے حوصلے اتنے عزم و مستحکم ہو گئے کہ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے ہیں۔ جب لوگ عشقِ مجازی میں تند و تیز آندھیوں اور خطرات کی پروا نہیں کرتے تو عشقِ حقیقی میں سرشار رہنے والے کا تو عالم ہی عجب ہوگا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے پر جانے کی تمنا میں کیا کیا کر گزرنے کے لیے تیار ہو سکتا ہے۔ اس کا ہم وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ علیم اختر کے عشقِ حقیقی کا عالم ان شعر میں دیکھیے:

لائے تو کوئی کاش یہ پیغام دل آویز
اختر نہیں بلواتے ہیں سرکارِ مدینہ

دیوانہ وار شوق تمنا میں سر کے بل
طے کر رہا ہوں راہ بیابانِ آرزو
مدینے تک اس طرح پہنچوں یارب
مرا سر ہو اور رہ گزارِ مدینہ

ان اشعار میں عاشق کی معشوق کے لیے کتنی بے قراری، تڑپ اور دیدار کی تمنا ہے۔ مولانا علیم اختر کا عقیدہ ایک سچے عاشق کی ترجمانی کر رہا ہے۔ الفاظ کا استعمال برمحل، تخیل بلند و فصیح اور اسلوب نہایت اعلیٰ ہے۔ جس نے اشعار کو جذبۂ عشق کے قالب میں ایسے ڈھال دیے ہیں کہ دل کا عالم بیان نہیں ہوتا ہے۔ علیم اختر دل میں دیوانہ وار شوقِ تمنا میں سر کے بل لبوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہوئے جا رہے ہیں۔ ایسے دیوانے کو کون نہیں دیکھے گا۔ کون اس حیرت انگیز کارنامے پر تعجب نہ کرے گا۔ اس پر اللہ کی رحمتِ خاص کیوں نہ ہوگی۔ کیوں نہ مدینہ میں اس کی آمد سے دھوم مچے گی۔ شعر میں علیم اختر کا جذبۂ شوق دیکھیے کس طرح دلوں کو چھو لینے والا ہے۔

ان کے کوچے میں کچھ اس شان سے پہنچوں اختر
شور اٹھے کہ محمدؐ کا غلام آیا ہے

جو اللہ اور اس کے رسول کے عاشق ہوتے ہیں ان کے دل و دماغ اور ذہن پر صرف خدا اور رسول کا ہی تصور چھایا رہتا ہے۔ ہر وقت زبان پر محمدؐ ہی کا نام ہوتا ہے۔ عاشق کو آنکھوں کے سامنے محمدؐ کا آستانہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ ہر طرف بہاریں ہی بہاریں دکھائی دیتی ہیں۔ غموں کا احساس ذرا بھی نہیں ہوتا ہے۔ لبوں پر صرف محمدؐ کی ہی داستان ہوتی ہے۔ دل کی تمناؤں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا ہے۔ ٹھکانہ کیوں رہے گا؟ اسے تو عشقِ رسول میں وہ مزہ آتا ہے جو تمام جہاں کی چیزوں سے افضل ہے۔ اس تعلق سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

وہ سرکارِ دو عالمؐ کا مدینہ
مرا دل، میری جاں ہے اور میں ہوں
ادب اے دل، گدازِ شوقِ پیہم
اب ان کی داستاں ہے اور میں ہوں
خزاں، سمٹی ہوئی سہمی کھڑی ہے
بہارِ جاوداں ہے اور میں ہوں
محبت میں مرا کیا ذکر اختر
اب ان کا ہی بیاں ہے اور میں ہوں

اب ان اشعار میں دیکھیے کہ کتنا خلوص، بے پایاں عشق، والہانہ محبت سوز و گداز، تڑپ، بے قراری پنہاں ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کو واقعی حبیبِ خدا سے والہانہ عشق ہے۔ محبت کی گرمی اور شدت کا جذبہ ہلورے مار رہا ہے۔ اسلوبِ نعت، نہایت متاثر کن اور رقت آویز ہے۔ اشعار کو پڑھ کر عجز و انکساری اور مغروریت کا سر نیچا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ تیسرے شعر میں استعاراتی نقطۂ زاویہ سے خوشی اور غم کا امتزاج پیش کیا گیا ہے۔ نیز اشعار سن اور پڑھ کر دل منور اور سیاہی زائل ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اللہ اکبر کیا اسلوبِ فکر ہے علیم اختر کی کہ عشقِ رسول کا جذبہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ بار بار اشعار سن اور پڑھ کر سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔

قوتِ متخیلہ کے تین درجوں میں سے جب جزیزہ کا درجہ اپنا لیا جاتا ہے تو شاعر آسمانی قلابے شروع کر دیتا ہے جسے غلو کہتے ہیں۔ نیز بندہ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ لیکن علیم اختر اپنی نعتوں میں بڑے اعتدال سے کام لیا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کو پڑھ کر یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ انہوں نے کہیں مبالغے سے کام لیا ہو۔ ہر جگہ میانہ روی اور کفایت شعاری نظر آتی ہے۔ کلام میں عقیدے کا

اظہار اس طرح کیا گیا ہے کہ نعت گلشن، گلستاں کی طرح مہکا مہکا نظر آتا ہے۔ مولانا علیم اختر نے جہاں اللہ اور رسول کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے اور کس طرح کفایت شعاری سے انہوں نے حضور پرنور کا مرتبہ متعین کیا ہے، آپ بھی ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیے۔

دل میں بسا ہوا ہے بصد التفات ناز
اللہ کا حبیب، دو عالم کی آبرو
خود حسنِ ذات کے لئے صدوجہ افتخار
وہ نورِ لم یزل، وہ مشیت کی آرزو
خدا کے ساتھ ان کا اسم اعظم
وہ ایماں ہے تو یہ حسنِ یقیں ہے

پہلے شعر میں بصد التفاتِ ناز، اللہ کا حبیب اور دو عالم کی آبرو جیسی معنی خیز، جمیل، اور تلمیحی تراکیب آئی ہیں۔ دوسرے شعر میں رسول کی ذات کو اللہ کے لیے سینکڑوں فخریہ والی ذات، خدا کی مرضی اور خدا کا نور بتایا ہے۔ خدا کے ساتھ عرشِ معلی پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا لکھا جانا مومن کا ایمان اور یقین ہے۔ چوتھے شعر میں خدا کے نور کے عکس سے مہ وخورشید کا روشن ہونا یہ بھی حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہے کہ اللہ کے نور کا دسواں حصہ محمد کا نور ہے اور پھر اس سے پوری کائنات کا وجود ہے۔ پانچویں شعر میں سورہ بنی اسرائیل کے حوالے سے معراج اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا حضور کو اپنی خلوت میں براہِ راست بلانے کا ذکر کیا ہے۔ شعر ششم میں اللہ کے رسول نے خلوت گاہ خدا میں جو راز اپنی آنکھوں سے شب برات میں دیکھے جسے شاعر نے شب اسریٰ یعنی بندے کی رات کہا ہے، کا ذکر بڑے سلیقہ وقرینہ اور فنی شعور و ذہانت سے حکمت کے دائرے میں کیا ہے۔ ان اشعار میں کہیں بھی عقیدۂ اسلام پر ضرب نہیں آئی ہے۔ جہاں تک علیم اختر کے فکر کے اسلوب کی بات ہے تو وہ تہہ داری اور داخلیت کا پہلو اختیار کر گیا ہے۔ الفاظ فصیح ہیں مگر اسلوب بیان جو ہے وہ عام قاری کی پہنچ سے دور ہے۔ معنی خیزی میں علیم اختر کی ذہنی اپج مزید گہری ہوتی چلی گئی ہے۔ اسلوب بیان کا پیچیدہ لہجہ قاری کے ذہن میں ضرور الجھاؤ پیدا کرتا ہے۔

جب کسی انسان کو اللہ اور اس کے رسول سے عشق ہو جاتا ہے تو چاروں طرف سے اسے محبت اور عشق کے نغموں کی آواز سنائی دینے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ کائنات کی ہر شے میں اسے عشق کا نغمہ سنائی دیتا ہے۔ درختوں کے رقصاں کرتے ہوئے پتوں سے، گرتے ہوئے جھرنوں سے، کل کل کرتے ہوئے دریاؤں سے، چھلکتی ہوئی شاخوں سے، مہکتے ہوئے پھولوں سے، اُگتے ہوئے خاروں سے، مہکتے ہوئے سبزے سے، گھر کے آتے ہوئے بادلوں سے، بارش کی رم جھم صداؤں سے کنجشک کی چہچہاہٹ سے، الغرض کائنات کی ہر اس چیز سے جو خدا کے ساتھ بغاوت کا اعلان نہیں کرتے، ہر ایک شے میں عشق رسول اور اللہ کی محبت کا مست کرنے والا نغمہ سنائی دیتا ہے۔ علیم اختر نے عاشق کے ساتھ گزرنے والی عشق رسول کی نغمگی کی ان تمام کیفیات کو ایک نعت میں بیان کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یہ جلوہ رنگیں، شفق رنگ فضائیں
یہ ناز، یہ انداز، یہ عشوے، یہ ادائیں
کس ناز سے اک ایک ادا بول رہی ہے
کانوں میں ہر اک بول سے رس گھول رہی ہے
جلووں کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں سے مگر شوق تماشا دیکھا نہیں جاتا
ہر سو طرب وعیش و مسرت کا سماں ہے
ہر چار طرف قافلہ شوق رواں ہے

مذکورہ بالا اشعار میں جلوۂ رنگیں، ناز و انداز، عشوہ وادائیں، قافلۂ شوق یہ ایسے الفاظ اور تراکیب بندی ہے کہ دل جمالیاتی انبساط کے ساتھ وجد کرنے لگتا ہے۔ علاوہ ازیں کانوں میں رس گھولنا، دید کا ارماں اور خورشید کا ارماں ہونا بھی ایسے افعال ہیں کہ جن سے عشق رسول کی گرمی اور تیز ہوتی ہے۔ نیز علیم اختر کے یہ اشعار عشقِ رسول کے حلقے میں دو آتشہ کا کام کرتے ہیں۔ اسلوب فکر نرالا اور نکھرا ہوا ہے۔ ایک ایک لفظ اسلوب کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ اشعار میں لف ونشر، علامات، کنایوں، محاوروں، مراعات النظیر اور حسنِ تعلیل وغیرہ فنی خوبیوں کے اسلوب بیان سے مزید چار چاند لگ گئے ہیں۔ علیم اختر کی نعت گوئی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس فن میں وہ جمالیات کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے جس کے باعث قاری بوریت کے بجائے مسرت کا احساس مسلسل کرتا ہے۔ لیکن ان اشعار کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعت نہیں بلکہ غزل خوانی کر رہے ہیں۔ جس سے نعت کا وصف زائل ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

مولانا علیم اختر ان حاجیوں کو سلام کہہ رہے ہیں کہ جو روضۂ محبوب اقدس کی زیارت کر کے آئے ہیں۔ انوار الٰہی کا جلوہ دیکھ کر آئے ہیں۔ خانہ کعبہ کا طواف کر کے گلستان محمد کی بہاریں دیکھ کر، عرب کی وادیوں یعنی فاران وغیرہ میں گھوم کر، حجر اسود کا بوسہ لے کر سبز گنبد کی بہاریں دیکھ کر مقام ملتزم پر دعائیں مانگ کر، صفا ومروہ پر ساتھ بار اتر کر چڑھ کر منجملہ حج کر کے جو حاجی آ رہے ہیں، علیم اختر انہیں سلام کر رہے ہیں۔ کیونکہ عاشق کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ وہ محبوب خدا اور خدا کے آستانے پر خاک آلودہ جبینوں کو منور کر کے آ رہے ہیں جس میں عاشق کو ایک نور کا احساس ہو رہا ہے۔ ان کی چمکتی ہوئی پیشانیاں فضا کو منور کر رہی ہیں۔ اس سلسلے میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سلام اے سبز گنبد کی بہاریں دیکھنے والو
سلام اے باغ احمد کی بہاریں دیکھنے والو
عرب کی وادیوں میں گھوم کر آنا مبارک ہو
خوشی میں سنگ اسود چوم کر آنا مبارک ہو
مبارک ہو رسول اللہ کے در کی جبیں سائی
مبارک ہو تمہاری آرزوئے شوق بر آئی

ان اشعار میں بھی یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ علیم اختر کا قلم جناب عشق محمد میں کس قدر رچا بسا ہوا ہے۔ حجاج پر سلام کے ذریعہ عشقِ رسول کا اندازہ ہو رہا ہے۔ علیم اختر کا اسلوب فکر اتنے علو مقام پر ہے کہ ایک ایک شعر میں جذبۂ عشق سے لبالب دکھائی دیتا ہے۔ ان اشعار کو بھی دیکھیے:

ز سر تا قدم نور ہی نور ہو کر
جمالِ محمد سے معمور ہو کر
حرم کے مسافر وطن آ رہے ہیں
جلو میں لیے انجمن آ رہے ہیں
دل اندوہ گیں چشم پر شوق نم ہے
دیارِ محمد کے چھٹنے کا غم ہے

ایک بار کیا! بار بار سبحان اللہ، اللہ اکبر کہنے کو جی چاہتا ہے۔ کیا پروازِ تخیل اور والہانہ عشق کا انداز ہے کہ پوری کائنات بحرِ عشق میں شرابور اور غوطہ زن معلوم ہوتی ہے۔ اسلوب اور طرزِ نگارش میں علیم اختر اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ اشعار حقیقت میں انسان کو معرفت، تزکیۂ نفس اور کائناتِ عشق کی طرف لے جاتے ہیں۔ نیز دل میں عشق ومحبت کے عناصر جذب ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ اشعار میں بصری پیکر کے ساتھ لمسی پیکر کا بھی ارتسام ہوا ہے۔ تیسرے شعر میں اندوہ گیں ترکیب سے مصرع میں ثقالت بن آگیا ہے۔ باقی تمام اشعار میں بلا کی روانی ہے۔ ٹھہراؤ کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ اگر

چہ نعت مثنوی کے فارم میں ہے مگر ربط قائم ہے۔

لیلۃ القدر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں چیزیں لازم و ملزوم بن گئی ہیں۔ جس کو رسول اللہ سے عشق ہو اور وہ اس مبارک---- ہزار راتوں سے افضل رات کا اہتمام نہ کرے---- ایسا ناممکن ہے۔ حدیث شریف میں اس رات کے متعلق بہت سی باتوں کا انکشاف کیا گیا ہے۔ یہ رات ہے کہ اللہ جل جلالہ عرش معلیٰ سے آسمان کے پہلے برج پر تشریف لے آتے ہیں۔ انسانوں کی تقدیر کے فیصلے اسی رات میں ہوتے ہیں۔ رحمتوں کا اس قدر نزول ہوتا ہے کہ انسان اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اسی رات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اتارا ہے جیسا کہ سورۃ لیلۃ القدر کا مفہوم ہے کہ بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور یہ رات "خیر من الف شہر" یعنی ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جبرئیل علیہ السلام اور دیگر فرشتے زمیں پر اترتے ہیں۔ اور جنکو عبادت میں مشغول دیکھتے ہیں اس کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں۔ علیم اختر کے چند اشعار لیلۃ القدر کے متعلق دیکھیے:

رنگینیِ بہارِ گلستاں کی رات ہے
اک جشنِ صبح و شامِ بہاراں کی رات ہے
اللہ رے یہ بارشِ عرفان و آگہی
اک بے خودی و ہوش بداماں کی رات ہے
یہ شب، شبِ برات ہے انسان کے لئے
ہندو کی رات ہے نہ مسلماں کی رات ہے
ہے طالبانِ حق کے لئے ایک اذنِ عام
آؤ نزولِ رحمتِ یزداں کی رات ہے
اب ہر نفس پہ کیوں نہ یقینِ نجات ہو
اعلانِ صد معافیِ عصیاں کی رات ہے

مندرجہ بالا اشعار میں رنگینیِ بہار، عرفان و آگہی، طالبانِ حق، نزولِ رحمتِ یزداں، یقینِ نجات، معافیِ عصیاں، یہ ایسے نادر الفاظ اور تراکیب ہیں کہ جو شب برأت کی خوبیوں کو اجاگر کر رہے ہیں۔ اسلوب بیان نہایت اچھا ہے ردیف 'رات ہے' نے شب برأت کی معنویت کو قائم رکھا ہے۔ نعت کے یہ اشعار زبان و افکار کے لحاظ سے بلند پایہ، دل آویز اور اثر انگیز ہیں۔ مگر علیم اختر نے تیسرے شعر میں شب برأت کو نہ ہندو کی رات بتایا ہے نہ مسلمان کی رات بتایا ہے بلکہ انسان کی رات کہا ہے۔ چوتھے شعر میں 'طالبانِ حق' ترکیب سے اس شعر کی تردید فرمادی ہے۔ رحمتوں کے نزول کا جو تعلق ہے وہ 'طالبانِ حق' سے ہے۔ چنانچہ جو انسان اللہ اور رسول کا عاشق نہ ہو اور ایمان نہ رکھتا ہو وہ 'طالبانِ حق' کیوں کر ہو سکتا ہے۔ انسان ہونا الگ بات ہے اور 'طالبانِ حق' ہونا الگ بات ہے۔ دونوں کی مختلف نوعیت ہے۔ یہاں مولانا کا تخیل پکڑ کے گھیرے میں ہے کہ انہوں نے کیسے ہندو کی رات نہ مسلمان کی رات کہہ دیا ہے۔ آخری شعر میں جو سلتے ہیں' لفظ استعمال کیا ہے۔ یہاں پر مولانا کی علمی استعداد پر ضرب آگئی ہے۔ اس لفظ سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ وہ صرف سلتے ہی آرہے ہیں۔ شب برات کی رحمتوں کے نزول کے بارے میں انہیں مزید معلومات نہیں صرف سلتے ہی تک محدود ہیں۔

عاشق رسول کا کیوں نہ دل چاہے گا انہیں دعائیں اور مبارک باد دینے کا جو نبی کے آستانے اور حرم شریف کے لئے چل پڑے ہوں۔ چنانچہ لوگ مدینے کے مسافروں کو طرح طرح سے دعائیں دیتے ہیں کہ رہ گزار شوق کا یہ سفر خیر و عافیت کے ساتھ گزرے۔ بیت اللہ کا طواف، صفا مروئی اور اضحی وغیرہ جیسے ارکین حج ادا کریں۔ علاوہ ازیں جو تمنائیں دلوں میں لے کر جا رہے ہیں وہ بر آئیں۔ گنبد خضرا دیکھنا اور نبی کے آستانے پر سر بسجود ہونا مبارک ہو ان سب باتوں کو شاعری کے سانچے میں علیم اختر نے بڑی فنکاری، چابک دستی، سلاست اور روانی کے ساتھ بہت چھوٹی بحر میں ڈھالا ہے۔ چند اشعار دیکھئے:

ذوق عزم سفر مبارک ہو
شوق سا راہبر مبارک ہو
اے حرم کے مسافرِ خوش خو
تجھ کو یہ رہ گزر مبارک ہو
بہ سرو چشم خاکِ راہِ حرم
ہاں یہ کحل البصر مبارک ہو
سامنے ہے وہ گنبدِ خضرا
خلدِ روح و نظر مبارک ہو
اے جبینِ نیازِ شوق تجھے
سجدۂ سنگِ در مبارک ہو
بج رہی ہے فضا میں شہنائی
بہ سلامت روی و باز آئی

ان اشعار میں دیکھیے کہ علیم اختر کتنے خلوص و محبت اور للّٰہیت کے ساتھ حاجیوں کو رخصت کرتے وقت دعاؤں سے نواز رہے ہیں۔ اشعار میں سنگ آہن ربا والی خوبی پنہاں ہے۔ جو پڑھے گا دل کو ان اشعار کی طرح کھنچتا محسوس کرے گا۔ تیسرے شعر میں چشم کے ساتھ سر لگا کر شعر کو مزید معنی خیز بنا دیا ہے۔ کتنے سلیقہ و قرینہ سے لفظوں کا انتخاب کیا ہے۔ تیسرے اور چھٹے شعر کے مصرع اولیٰ میں کحل البصر، عربی ترکیب اور بہ سلامت روی و باز آئی، فارسی ترکیب کو برتا گیا ہے۔ یہ علیم اختر کا ہی کمال فن ہے کہ انہوں نے بڑی ہنرمندی، شائستگی سے دشوار تن ہنر کو بھی اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ قاری کو پڑھتے وقت چند لمحوں کے لیے ذہن پر زور دینا اور اغل بغل دیکھنا پڑے گا کمزور قاری کو ضرور لغت کی ضرورت پڑے گی۔ علامت کے طور پر بات کو بیان کرنا دل و گردے کا کام ہے، "بج رہی ہے فضا میں شہنائی" سے علیم اختر نے وداعی کی رسم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بحیثیت مجموعی علیم اختر کے نعتیہ کلام کے جائزہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ علیم اختر نے جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے وہ دوسرے شعرا سے الگ ہے۔ یہ اپنی نعتوں میں بڑے فصیح و جمیل الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جن میں رنگینی کے ساتھ سادگی بھی ہوتی ہے۔ ان کے اسلوب اور تخیل کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ یہ دلوں کو مسحور اور جمالیاتی انبساط کا احساس دلاتا ہے۔ لیکن یہ مسحور کن، انبساطی اور جمالیاتی کیفیت قبل ازیں عشق رسول کے جذبہ خلوص اور محبت کو ابھارتی ہے۔ علیم اختر کی نعتوں کو پڑھ کر ذہن پر ضرور عشق نبی کے نقوش قائم ہوں گے۔ یہ نقوش پڑھنے کے بعد بھی دل ہی دل میں علیم اختر کی نعت گوئی پر اللہ اکبر، سبحان اللہ کہلواتے رہیں گے۔ ان کی نعتیں اس بات کی ضمانت اور برہان ہیں کہ وہ ایک سچے عاشق رسول تھے۔ بجز اس کے ان کی نعتوں کا کمزور پہلو یہ ہے کہ نعت خوانی کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا غزل پڑھ رہے ہوں لیکن جب درمیانِ نعت، پڑھتے وقت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آتا ہے تو نعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی نعتوں میں بھی تغزل کا وصف نمایاں ہے۔ دوسرے کہیں کہیں عربی و فارسی تراکیب سے کلام کو دقیق اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔ مگر بایں ہمہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ علیم اختر کا نعتیہ کلام عشقِ رسول سے سرشار ہے۔ جس میں حضور کی ذات کے تئیں للّٰہیت بھی ہے، خلوص بھی ہے، محبت بھی ہے اور جاں نثاری کا بے پایاں جذبہ بھی تحلیل ہے۔

□□□

ڈاکٹر فیضان حیدر

شعبۂ اردو و فارسی، سی ایم کالج، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ

7388886628

امیر خسرو کی نعتیہ شاعری

(عقیدت و فن کا حسین امتزاج)

امیر خسرو (۱۲۵۳۔۱۳۲۵ء) فارسی کے اہم شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شعری استعداد، قوت تخیل اور معنی آفرینی کی وجہ سے اہل ادب متفقہ طور پر ان کو ہندوستان کا سب سے بڑا فارسی گو شاعر تسلیم کرتے اور بجا طور پر طوطی ہند کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ حضرت نظام الدین اولیا کے حلقۂ مریدان میں شامل اور تصوف و معرفت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ بنیادی طور پر غزل، قصیدہ اور مثنوی کے شاعر ہیں۔ غزل میں شیخ سعدی شیرازی کے پیرو تھے جب کہ قصیدہ میں سنائی اور مثنوی میں نظامی کے مقلد تھے۔

خسرو ہشت پہلو شخصیت کے حامل تھے۔ وہ بیک وقت عالم باعمل، صوفی صافی، فلسفی، عارف باللہ اور باکمال شاعر تھے۔ فلسفہ و عرفان میں مکمل دست رس رکھتے تھے۔ خسرو نے اپنے فکر و فن اور خداداد صلاحیتوں سے نہ صرف اپنے عہد کو متاثر کیا بلکہ آج بھی ان کی شاعری شعرا کے لیے قابل تقلید ہے۔ عجم کے شعرا بسا دیدہ عجم کا نظارہ ان کی شاعری میں کرتے ہیں جہاں الفاظ کی ترتیب و ترکیب اور دروبست سے انھوں نے مرقعوں کے ایسے نگارخانے آباد کیے ہیں کہ یہ اصل سے بھی زیادہ دل کش، دل نشیں اور پرکشش نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری وقت گزاری یا دل بہلاوے کا ذریعہ نہیں تھی بلکہ انھوں نے جو کچھ کہا کیف و سرور سے لبریز ہے۔ ان کی شاعری عشق حقیقی اور مجازی دونوں کی آئینہ دار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عشق حقیقی تک رسائی کے لیے عشق مجازی کی گلیوں کی خاک چھاننا لازم ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ ان کی غزلیں شکستہ قلوب کی تسکین کا ذریعہ ہونے کے ساتھ عشق و عرفان کی وادیوں کی بھی سیر کراتی ہیں جو بندے کو معبود سے ملانے کا بہترین وسیلہ قرار پاتی ہیں۔

امیر خسرو نے غزل، مثنوی اور قصیدہ کے ساتھ نعتیں بھی کہی ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار اس وقت کی پیداوار ہیں جب نعت گوئی کو فارسی ادب میں باقاعدہ صنف کی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ اکثر شعرا حضور اکرم کی شان میں نعتیہ قصائد لکھتے تھے۔ ایسے قصائد کا آغاز حضور اکرم کی زندگی میں ہی ہو چکا تھا۔ حسان بن ثابت انصاری اپنے عہد کے اس فن کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں جنھوں نے رسول اکرم کی شان میں عمدہ قصائد لکھے۔ یہ سلسلہ عربی سے فارسی میں منتقل ہوا۔ یہاں اکثر مثنویوں کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد پیغمبر کی شان میں اشعار کہے جاتے رہے۔ اس سلسلے میں حکیم سنائی، انوری، خاقانی، عراقی، نظامی، عطار، مولانا روم اور مولانا جامی کے نام قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے جزوی طور پر یا باقاعدہ طور پر نعتیہ قصائد کہے ہیں۔ امیر خسرو نے بھی مثنویوں کے آغاز میں پیغمبر اکرم کی مدح سرائی کی ہے اور باقاعدہ طور پر نعتیہ قصیدے بھی کہے ہیں۔

خسرو کی نعتیہ شاعری رسمی شاعری نظر نہیں آتی بلکہ اس پر اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ و ثقافت اور اسلامی فلسفے کی گہری چھاپ ہے۔ انھوں نے جس اچھوتے انداز میں نعت کے فنی تقاضوں اور اسلامی روایات کی پیروی کی ہے وہ ان کے ہم عصروں میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ ان کے اس قسم کے اشعار کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ ان کو حضور اکرم سے حد درجہ عشق ہے۔ تاہم ان کی شاعری کا پایہ قرآن و احادیث اور فلسفہ و تصوف پر قائم ہے جو ان کی متاعِ کل ہے۔ انھوں نے پیغمبر اکرم کی شان میں ایک الہامی ترکیب بند بھی کہا ہے جس میں ان کی حضور اکرم سے عقیدت و محبت اور فن نعت کی پوری پاسداری موجود ہے۔ نعت گوئی کوئی آسان فن نہیں۔ ایک محدود دائرے میں رہ کر حضور کی شان کو اس انداز سے بیان کرنا کہ ان کی ذات والا صفات کے بالکل شایان شان ہو، نہ سر مو ان کی شان میں کمی واقع ہو اور نہ ہی بیشی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عرفی شیرازی نے اپنے ایک شعر میں نعت گوئی کو سب سے مشکل فن بتایا ہے اور اسے تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

> ”خسرو کے نعتیہ اشعار کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ ان کے اشعار کے حرف حرف جذبے کے وفور اور گہری وارفتگی کے سرچشمے سے سیراب ہیں۔ عشق رسول ان کے لیے ایک ایسے وظیفۂ حیات کی حیثیت رکھتا ہے جو ان کی روزمرہ زندگی کے ساتھ ان کے اشعار کو بھی گہرائی و گیرائی عطا کرتا ہے۔ انھوں نے اپنے احساس و جذبے کی فراوانی سے دل کی دنیا کو سنوارنے کا کام کیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جا بجا ان کے اشعار میں عشق رسولؐ کی تڑپ اور ان کے دل کی حکایت بیان ہوئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عشقِ رسولؐ نہ صرف ان کی روح کو تازگی اور فرحت بخشتا ہے بلکہ اس سے ان کے فکر و فن میں بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ کیوں کہ فکری و فنی محاسن کے لیے صرف زبان و بیان اور قوتِ تخیل کی ہی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے لیے ایک ایسے عشقِ صادق اور جذبۂ فراواں کی ضرورت ہے۔“

عرفیؔ مشتاب این رہ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

متذکرہ بالا ترکیب بند خسرو کی نعتیہ شاعری کی عمدہ مثال ہے۔ اس میں انھوں نے قرآن و احادیث کے مفاہیم کو اشعار کی صورت میں اس طرح برتا ہے کہ نہ صرف شعر کے حسن میں چار چاند لگ گئے ہیں بلکہ اس سے حضور اکرم کے متعلق ان کے عقیدے کا بھی برملا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے چند اشعار دیکھیے۔

مست شو ای ہوشیار! لیک ازین بادہ نیز
از قدح مصطفیٰ جرعہ احسان طلب
نامہ تلک الرسل[۱] فضل ازو یافتہ
احمد مرسل کزو چرخ علو یافتہ
میم کہ در احمد است، چون بہ خرد بنگری
ہست بہ نقش احد خاتم پیغمبری
حرص بہ خاکت کشد. شارع دین گیر از آنک
بی روش مصطفیٰ راہ بر افلاک نیست

وہ عشق کے بادہ کشوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر واقعی مستی اور خمار کے طالب ہو تو پیغمبر اکرم کی ذات والا صفات کے جام احسان سے پیو اور اتنی پیو کہ شراب عشق کا خمار تم کو مصطفائی بنا دے۔ کیوں کہ آپ کی عادات و اطوار مثالی، خیالات بلند مرتبت اور حسب نسب اعلیٰ و ارفع ہے۔ اسی طرح دوسرا شعر بھی حسن کلام اور زور بیان کے ساتھ مدلل مداحی قرار پائے گا۔ اس شعر کے مفہوم یا مافی الضمیر تک رسائی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس سے حظ و کیف وہی حاصل کر سکتا ہے جو آیاتِ قرآنی کے مفاہیم تک حتی المقدور رسائی رکھتا ہو۔ گویا انھوں نے اس ایک شعر میں تمام انبیا سے رسول اکرمؐ کے مقام و مرتبے کا موازنہ کیا ہے۔ کیوں کہ پیغمبر اکرمؐ کی حیثیت تمام انبیا میں ایسی ہی ہے جیسے ستاروں کے درمیان ماہتاب۔ اگرچہ عالم کون و فساد میں ان کا ظہور سب سے آخر میں ہوا لیکن وہ مخلوقِ اول ہیں۔ اللہ نے سب سے پہلے ان کے نور کو خلق کیا اور تمام انبیا پر ان کو گواہ بنایا۔[۲]

یہاں تیسرے شعر کے مفہوم کو انھوں نے اس طرح برتا ہے کہ اگر ذرا سی بھی لغزش ہوتی تو رسول مقام عبدیت سے احدیت تک پہنچ جاتے۔ انھوں نے یہ شعر اس حدیث قدسی "میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے ایک خاص مخلوق (محمد) کو پیدا کیا۔"[۳] کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا ہے۔ اس لیے انھوں نے احمد کی میم کو نقش احد میں پیمبری کی مہر قرار دیا ہے۔ باری تعالیٰ کی صفت ہے احد یعنی اکیلا ہونا۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے رسول کہہ دیجیے کہ اللہ اکیلا ہے۔[۴] اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ کی کچھ مزید صفات بھی بیان کی گئی ہیں۔ کہیں نہ کہیں خسرو کے یہ نعتیہ اشعار بھی انھیں آیات سے مستفاد ہیں۔ یہاں انھوں نے جس ذوقی اور وجدانی کیفیت کو بیان کیا ہے اس کو ہم ذرا سا غور و فکر کرنے کے بعد پورے طور پر محسوس کرتے ہیں اور اس سے محظوظ بھی ہوتے ہیں۔

اس شعر کی قرأت کے وقت عرفی کا وہ شعر یاد آتا ہے جس میں اس نے نعت گوئی کو تلوار کی دھار پر چلنے کا فن قرار دیا ہے۔ اس منصب سے وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو توحید و رسالت اور الوہیت و نبوت کے نازک رشتوں سے پوری طرح واقف ہو ساتھ ہی حفظ مراتب کا کامل شعور رکھتا ہو۔ بادی النظر میں جب شعر کی قرأت کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید حضور کی شان کے بیان میں خسرو نے عقیدت و محبت کی رو میں بہہ کر ان کو ذات باری تعالیٰ کے مقام کے قرب میں لا کھڑا کیا ہے۔ لیکن جب بغور اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے احمد کی میم کو نقش احد کی انگشتری کا نگینہ قرار دیا ہے۔ اس سے ان کی مراد ذات باری تعالیٰ سے پیغمبر کی ذات کو ملانا مقصود نہیں بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ کی ایک صفت احد یعنی اکیلا ہونا بھی ہے۔ اسی طرح پیغمبر بھی تمام نبیوں کے درمیان اخلاق و عادات، محبت، شفقت، عنایت، امانت، صداقت اور خلوص ان سب میں یکتا ہیں۔ ان کا کوئی مثیل نہیں۔ اس کے بعد کے شعر میں انھوں نے یہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر کسی کو دونوں جہان کی سرخ روئی چاہیے تو آپ کے دین پر مکمل طور پر کاربند ہو جائے۔ اس میں دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود پوشیدہ ہے۔ اسی طرح خسرو کی ایک غزل زبان زد خاص و عام ہے۔ آج بھی جب کہ فارسی زبان و ادب کا ذوق و شوق ہمارے درمیان سے اٹھ چکا ہے، اکثر محفلوں کی زینت ہوا کرتی ہے۔ اس کے یہ اشعار شایان ذکر ہیں۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جایی کہ من بودم
بہ ہر سو رقص بسمل بود شب جایی کہ من بودم
پری پیکر نگاری سروقدی لالہ رخساری
سراپا آفت دل بود شب جایی کہ من بودم
رقیبان گوش برآواز و او در ناز و من ترسان
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جایی کہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکان خسرو
محمد شمع محفل بود شب جایی کہ من بودم

خسرو کے نعتیہ اشعار کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ ان کے اشعار کے حرف حرف جذبے کے وفور اور گہری وارفتگی کے سرچشمے سے سیراب ہیں۔ عشق رسول ان کے لیے ایک ایسے وظیفۂ حیات کی حیثیت رکھتا ہے جو ان کی روزمرہ زندگی کے ساتھ ان کے اشعار کو بھی گہرائی و گیرائی عطا کرتا ہے۔ انھوں نے اپنے احساس و جذبے کی فراوانی سے دل کی دنیا کو سنوارنے کا کام کیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جابجا ان کے اشعار میں عشق رسول کی تڑپ اور ان کے دل کی حکایت بیان ہوئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عشق رسول نہ صرف ان کی روح کو تازگی اور فرحت بخشتا ہے بلکہ اس سے ان کے فکر و فن میں بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ کیوں کہ فکری و فنی محاسن کے لیے صرف زبان و بیان اور قوتِ تخیل کی ہی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے لیے ایک ایسے عشق صادق اور جذبہ فراواں کی ضرورت ہے جس سے اشعار کی معنویت میں اضافہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ کہا گیا کہ نعت کا اصل منبع و ماخذ قرآنی آیات اور اقوال پیغمبر ہیں۔ خسرو کے نعتیہ اشعار میں بھی آیاتِ قرآنی اور اقوالِ رسول سے استمداد کی کیفیت جابجا ملتی ہے۔ انھوں نے قرآنی آیات کے بحرِ بے کراں کی غوطہ زنی میں لمبی عمر صرف کی ہے، اس لیے ان کی نعتیں قرآنی تجلیات سے بہرہ ور ہیں۔ البتہ ان کی نعتوں میں پیغمبر کے ظاہری حسن اور سراپا کا چنداں ذکر نہیں ملتا بلکہ انھوں نے پیغمبر کی سیرت کے اہم پہلوؤں کو نقش ہائے رنگ رنگ کی صورت میں باندھا ہے۔ ان کی نعتوں میں زبان و بیان کی خوبیاں، خیال آفرینی، بے ساختگی، فنی رچاؤ، تشبیہات و استعارات کا برمحل استعمال، قرآنی تلمیحات، روزمرہ و محاورات اور صنائع و بدائع کا بامعنی استعمال ملتا ہے۔ ان سب کے استعمال سے ایک ایسا طرز شاعری وجود میں آگیا ہے جو خسرو سے قبل ہندوستان کے فارسی شاعروں میں نظر نہیں آتا۔ یہی وہ فنی و لسانی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے ان کی شاعری آج بھی ہر زندہ دل انسان کے دل کی آواز ہے، اور جس کے مطالعے سے قلب و ذہن پر فرحت و انبساط کے ساتھ وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

خسرو نے اپنے نعتیہ اشعار میں پیغمبر اکرم کی سیرت اور ان کے خصائل و فضائل کے بیان کے ساتھ ان کی ذات سے اپنی بے پایاں محبت و عقیدت کا بیان بھی مختلف پیرائے میں کیا

ہے۔ اگر چہ قرآن مجید میں رسول کی سیرت اور ان کے فضائل کے سلسلے میں کوئی مربوط ذکر نہیں ہے لیکن جا بجا ایسے بلیغ اشارے موجود ہیں جن سے آپ کی سیرت و شخصیت، آپ کی امانت و صداقت کا بین ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کے معجزات وغیرہ کا تذکرہ دل کش انداز میں ملتا ہے۔ یہ چند اشعار دیکھیے جن میں خسرو نے آیات قرآنی اور احادیث سے خوب خوب استفادہ کیا ہے

ای رسالت را علم افراختہ
دست تو تیغ شریعت آختہ
مرکبت کو بر مکان بنہاد پای
قدر تو بر لامکانش تاختہ
آدم و من دونہ[۶] تحت اللوا
آمدہ چون تو لوا افراختہ

پہلے شعر میں رسول کی رسالت اور ان کے مبعوث ہونے کے ساتھ اس بات کی طرف بلیغ اشارہ کیا گیا ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت پچھلی تمام شریعتوں کی منسوخی کا سبب بنی۔ یعنی آپ ختم الرسل ہیں۔ آپ دنیا میں مبعوث کیے گئے تاکہ کفر و نفاق اور جہالت و رذالت سے لوگوں کو نکال کر راہ مستقیم پر گامزن کریں۔ اس کے بعد کے شعر میں واقعہ معراج کی طرف بلیغ اشارہ کیا گیا ہے۔[۷] خسرو نے اس واقعے کو اس پر کیف اور سرمستی کے عالم میں الفاظ کے موتی میں پرو دیا ہے کہ "از دل خیزد و بر دل نشیند" کا مصداق قرار پاتا ہے۔ اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں حدیث "لولاک" کے مفہوم کو جذبے کی آنچ دے کر اس طرح برتا کہ شعر کی معنویت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ گویا نبی کی ذات وہ ذات ہے کہ خیاط صنع یعنی ذات باری تعالیٰ نے نو آسمانوں کی قبائیں آپ کے جسم نازنیں کے لیے تیار کی ہیں۔ شعر دیکھیے

نہ قبای چرخ را خیاط صنع
خاص بہر قامتت پرداختہ

ان کی نعتوں میں پیغمبر اکرم کی امانت و دیانت، صداقت و عدالت اور سخاوت کے ساتھ ساتھ ان کے حسن اخلاق، ہدایت اور سیرت کے لامحدود پہلوؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ خسرو نے زمان و مکان کی حدود سے آزاد ہو کر ان کی سیرت کے نئے نئے پہلوؤں کی تلاش کی اور پیغمبر کی شخصیت کے حوالے سے تہذیبی، سماجی، تمدنی، معاشرتی اور تاریخی موضوعات کی طرف بھی اشارات کیے ہیں جنھیں تاریخی اور نیم تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ انھوں نے آپ کی ذات سے گہری محبت و عقیدت کا ثبوت پیش کیا ہے ساتھ ہی آپ کے معجزات، صفات، تعلیمات، عادات و اطوار کے ساتھ اپنی شخصی واردات اور ذاتی کیفیات کا تذکرہ اس انداز سے کیا ہے کہ اشعار کا حسن دوبالا ہو گیا ہے

میم احمد را گزیدہ بعد از آن
خاتم مہر نبوت ساختہ

اسی طرح ہمارے نبی، نبیوں میں سب سے آخر میں دنیا میں تشریف لائے۔ لیکن آپ مخلوقِ اول ہیں۔ تفسیروں میں ملتا ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے پیغمبر اکرم کے نور کو خلق کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام نبیوں کو ان کی امت کے لیے گواہ بنایا اور ہمارے نبی کو تمام نبیوں کے لیے۔[۹] پیغمبر تخلیق اول ہیں۔ اس کا زندۂ جاوید ثبوت یہ ہے کہ اللہ نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر پیغمبر کو خلق کرنا مقصود نہ ہوتا تو اللہ آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔"[۱۰] پیغمبر اپنے نورانی وجود سے تمام نبیوں کی مشکلوں کو آسان کرتے رہے۔ ان کے نورانی وجود کے پرتو سے ابد الآباد تک بلکہ حشر و نشر کے وقت بھی ہم جیسے گنہ گار شفاعت کے خواستگار ہیں۔ بلکہ کتنے گنہ گار ایسے ہیں جن کو اللہ نے آپ کے طفیل اپنی بخشش اور رحم و کرم سے نوازا۔ خسرو بھی روز محشر نبی کریم کے لطف و کرم اور نظر عنایت کے خواہشمند ہیں۔ البتہ خسرو کے یہاں ایک خوبی یہ ہے کہ جب وہ نعت لکھنے بیٹھتے ہیں تو ان کے عشق کی آگ سے ان کا دل پگھلنے لگتا ہے۔ اس پس منظر میں یہ اشعار دیکھیے

تافتہ نور تو از روز ازل[۱۱]
پرتو تو تا ابد[۱۲] انداختہ
دیدہ ای کش در نظر ناید بہشت
عشق با خاک خیالت باختہ
عاصیان زرد رو[۱۳] را کردگار
از برای روی تو بنواختہ
بندہ خسرو تا نویسد نعت تو
ز آتش دل جان خود بگداختہ

معراج کا واقعہ پیغمبر کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے جس کا قرآن میں صریحاً ذکر موجود ہے۔ اللہ نے قرآن مجید کے سورہ اسراء میں ارشاد فرمایا کہ: تمام عیوب سے پاک ہے وہ ذات (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے ارد گرد کو ہم نے برکتیں عطا کی ہیں تاکہ ہم اس کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی بہت سننے والا، بہت دیکھنے والا ہے۔[۱۴] ویسے تو واقعہ معراج کی تفصیلات کے لیے کتب تفاسیر و سیر کا مطالعہ ضروری ہے۔ بعض رسول کی معراج کو ظاہری اور جسمانی معراج نہیں مانتے تاہم اب تک میں نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور خود قرآن کریم کے الفاظ سے جو مترشح ہے وہ صاف طور پر اس بات پر دال ہے کہ آپ کی معراج جسمانی تھی اور حالت بیداری میں تھی۔ ورنہ خواب میں تو ہم جیسے خاکی بندے بھی کہاں کہاں کی سیر کر جاتے ہیں۔ آپ کی سواری براق تھی اور آپ کو اللہ نے مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی۔ اس سفر میں آپ نے کئی نبیوں سے ملاقاتیں بھی کیں اور ذات باری تعالیٰ سے اتنا قریب ہو گئے کہ فاصلہ صرف قاب قوسین یا اس سے بھی کم تھا۔ خسرو بھی جسمانی معراج کے قائل ہیں اور ان کی زلف کو لیلۃ المعراجِ دل قرار دیتے ہیں۔ ان کے دونوں ابروؤں کو قاب قوسین سے تشبیہ دی ہے۔ اس پس منظر میں یہ نعتیہ اشعار دیکھیے

گشت زلفت لیلۃ المعراج دل
قاب قوسین[۱۵] ز ابروان انگیختہ
ہر کجا افتادہ از روی تو خوی
سرخ گل[۱۶] خون خود آنجا ریختہ
تو بمہ[۱۷] بنمودہ دست و آفتاب
زرد گشتہ در زمین بگریختہ
خاطرم خاک درت را کردہ وصف
دیدہ ام بسیار برخود بیختہ
اہل دل را بوی خون آید ز مشک
گر نہ با خاکت بود آمیختہ
خسروؔ از بہر نثار مدح تو
عقد شعری ہر زمان بگسیختہ

انھوں نے اپنی شاعری میں جس عقیدت، سرشاری اور جوش کے ساتھ رسول کے سراپا اور ان سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے، وہ بے نظیر ہے۔ جیسے رسول کو کیمیائے آفرینش، شفیع المذنبین، مالک کلید فلک، خاتم المرسلین، وجہ تخلیق کائنات اور مختار کل جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔ البتہ ان کا زمانہ ایسا تھا جب شعرا حمد، نعت اور منقبت کو بطور تبرک اپنی مثنویوں میں نظم کرتے تھے۔ اس لیے اس کا دائرہ صدیوں تک محدود رہا۔ ان مثنویوں کے نعتیہ اشعار میں جذبات و احساسات کا بیان کم، ان سے امید یں وابستہ کرنا اور اپنی گناہوں کی معافی طلب کرنا زیادہ رہا ہے۔ خسرو نے بھی انھیں خیالات کو جذبے کی آنچ دے کر اس طرح برتا کہ الفاظ اور جذبات دونوں ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔ بلکہ کہیں کہیں تو شاعرانہ رنگ آمیزی سے اس درجہ کام لیا ہے کہ پڑھنے کے بعد دل و دماغ پر عجیب فرحت و انبساط کا عالم پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی ان کی نعتیہ شاعری کی روح بھی ہے جس سے ان کے نعتیہ کلام میں گہرائی، گیرائی، علمیت اور شعری شان پیدا ہو گئی ہے۔ ذیل کے نعتیہ اشعار دیکھیے جن میں انھوں نے کتنی عمدہ تلمیحات اور تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا ہے۔

زہی روشن ز رویت چشم بینش
وجودت کیمیای آفرینش
مبارک نامہ قرآن تو داری
کہ مرغ[۱۸] نامہ شد روح الامینش[۱۹]
چہ بیند مردم ار از خاک پایت
نباشد سرمہ عین الیقینش[۲۰]
کہ دارد جز تو دست آن کہ باشد
کلید نہ فلک در آستینش؟
رسل را ذات توست آن خاتم چست
کہ قرآن آمدہ نقش نگینش
لبش چون انگبین ریزد، دسہ افتد
ملائک چون مگس در انگبینش
دقائق ریختہ خسرو ز نعتت
پس از آب خضر کردہ عجینش

حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے جس جوش، جذبے اور واقعیت سے نعتیہ اشعار کہے ہیں وہ لائق ستائش ہیں۔ چاہے غزل ہو یا مثنوی نعت ہو یا منقبت خسرو نے ہر راہ میں اپنی جولانی طبع دکھائی ہے۔ آج جب کہ مسلمانان عالم ابتری کے دور سے گزر رہے ہیں، اس وقت ان کے نعتیہ اشعار کی عصری حسیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ پیغمبر کی ذات والا صفات کیمیائے آفرینش ہے۔ ان کے دل پر قرآن نازل ہوا اور روح الامین جیسا فرشتہ آپ اور خدا کے درمیان رابطہ بنا۔ ساتھ ہی خسرو کہتے ہیں کہ نو آسمان کی کنجی آپ کے ہاتھ میں اور نبیوں میں آپ خاتم ہیں۔

خسرو نے اپنے نعتیہ اشعار میں الفاظ کے برمحل استعمال سے معانی کے دریا بہائے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں استعمالِ الفاظ کی کشاکش نے درہمی کا عالم بھی پیدا کر دیا ہے جسے عجلت پسند اذہان نے جو تلاش و جستجو کے خوگر نہیں اور سہل انگاری جن کا شیوہ ہے، یہ سمجھ لیا کہ خسرو نے ذات نبی کو ذات باری تعالیٰ کے بالکل قرب میں لا کھڑا کر دیا، جو شاید آج کے تنگ نظر افراد کے لیے قابل اعتراض ہو۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ یہی کشاکش ان کی نعتیہ شاعری کی جان ہے۔ یہ اندازِ شاعری درحقیقت ساحری ہے جو ہمارے ذوق و شوق اور ادبی مذاق کو گدگداتا ہے تاکہ ہم مزید غور و فکر پر آمادہ ہوں اور اپنے شوق جگر کاوی اور مقصود رسائی کی رہبری میں آشنائے مقصود ہوں۔ ان کی نعتیہ شاعری صرف پیغمبر اکرم سے ان کی عقیدت و محبت کی ہی غماز نہیں بلکہ فکری و فنی خوبیوں کی بھی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری عقیدت و فن کا حسین امتزاج قرار پاتی ہے۔

جیسا کہ کہا گیا کہ خسرو حضور اکرم کی محبت سے سرشار تھے۔ اسی محبت کی تحریک نے ان کو کیفیت انگیز، دل کش، دل آویز اور پر کیف نعتیں کہنے پر مجبور کیا۔ ان کی نعتیں سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ ان میں ایک عجیب کیف و اثر پایا جاتا ہے۔ وہ جذب و کیف، ولولہ انگیزی اور جوش محبت و عقیدت کی رو میں بہہ کر کوئی ایسا نکتہ نہیں پیدا کرتے جس سے آپ کی شان میں تقصیر یا تفضیل کا پہلو نکلتا ہو۔ مجھے ان کی نعتوں میں جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ ان کی والہانہ کیفیت اور جدت و ندرت ہے۔ اس کا سراغ ان کی شعری زمینوں سے ہی ملتا ہے۔ اہل فن اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ شعر کے پیرایۂ اظہار کا بڑا تعلق زمین سے ہے۔ خسرو نے اپنے محسوسات، مشاہدات، تجربات، جذبات اور خیالات کا اظہار جس فنی نزاکت اور عقیدت سے کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ یہی اعتدال و توازن ان کے نعتیہ اشعار کو اعتبار عطا کرتا ہے۔

حوالہ جات و حواشی:

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۳ کی طرف بلیغ اشارہ: **تلک الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض، منهم من کلّم و رفع بعضهم** درجات۔

۲۔ سورہ نساء، آیت ۴۱: تفسیر طبری، ذیل آیت مذکورہ، حدیث نمبر ۹۵۱۵، مشروع المصحف الالکترونی بجامعۃ الملک سعود؛ ابن بطریق، عمدۃ عیون صحاح الاخبار، ۱۴۰۷ھ، ص ۹۱؛ مجلسی، بحارالانوار، ۱۴۰۳ھ، ج ۳۸، ص ۱۵۰-۱۵۱؛ مجلسی، بحارالانوار، ۱۴۰۳ھ، ج ۵۴، ص ۱۷۰

۳۔ ابن عربی، فصوص الحکم، ۱۳۵۶ھ، ج ۲، ص ۶۱ و ۳۰۳ و ۳۲۶؛ مجلسی، بحارالانوار، ج ۸۴، ص ۱۹۹؛ امام خمینی، آداب الصلاۃ، ۱۳۷۸ش ھ، ص ۲۸۸۔

۴۔ سورہ اخلاص، آیت ۱: قل ہو اللہ احد۔

۵۔ جن کی جمع۔

۶۔ جو افراد حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ہیں یعنی اولاد آدم۔

۷۔ سورہ اسراء، آیت ۱: **سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ**۔

۸۔ مختصر البصائر، ج ۱، ص ۳۳۶؛ المحتضر علامہ حلی، ص ۲۸۵؛ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: یا علی ما عرفنی الا اللہ و انت۔

۹۔ سورہ نساء، آیت ۴۱: البخاری فی الصحیح، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی الشہید، ۱/۴۵۱، الرقم: ۱۲۷۹۔

۱۰۔ کشف الخفاء، ج ۲، ص ۱۴۸؛ الموضوعات الکبری، ص ۷۰۔

۱۱۔ "اول ما خلق اللہ نوری" کی طرف بلیغ اشارہ۔

۱۲۔ وہ زمانہ جس کی انتہا نہ ہو۔

۱۳۔ شرمسار، ایسے گنہ گار جو اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہوں۔

۱۴۔ سورہ اسراء، آیت ۱۔

۱۵۔ سورہ نجم کی آیت ۹ کی طرف بلیغ اشارہ کہ جب پیغمبر اکرم عرش پر گئے تو خالق اور مخلوق (اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم) کے درمیان دو کمان یا اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں: فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

۱۶۔ مراد: گلاب۔

۱۷۔ معجزۂ شق القمر کی طرف اشارہ۔

۱۸۔ مراد: قاصد، نامہ بر۔

۱۹۔ حضرت جبرئیل

۲۰۔ یقین کے تینوں مراتب میں سے ایک۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو دیکھنے کے بعد اس کی حقیقت و ماہیت دریافت کی جائے۔

□□□

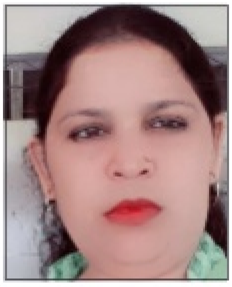

ڈاکٹر کہکشاں عرفان

نزد درگا پوجا گراؤنڈ، شاہ گنج، پریاگ راج

7054003555

غیر مسلم نعت گو شعرا بالخصوص کنور مہندر سنگھ بیدی

نعت کا لفظ سنتے ذہن و دل رسول خدا محمد عربی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و بصیریت ان کی آفاقی نعت شخصیت ان کے خصائل وخصائص ان کا عہدہ و رتبہ ان کی صداقت، شرافت، متانت، شفقت، محبت شفاعت ان کا عجز و انکسار، ان کی فقیری میں بھی بادشاہی ان کا طریق زندگی سب یاد آتے ہیں۔ سہ حرفی لفظ نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی وصف وخوبی اور تعریف و توصیف کے ہیں۔ لیکن عُرفِ عام میں نعت؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا و ستائش اور تعریف و توصیف بیان کرنے والی منظومات کو کہا جاتا ہے۔ فن نعت گو بظاہر جتنی آسان نظر آتی ہے اتنی ہے نہیں ناقدین ادب اس صنف کو مشکل ترین صنف سخن سمجھتے ہیں کیونکہ اس صنف میں جس شخصیت کی تعریف کی جاتی ہے وہ پاک اور ارفع ذات گرامی خالق کائنات رب ذوالجلال رب العالمین کے نور سے پیدا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بظاہر تو آخر الزماں ہیں خاتم النبیین بحر میں تمام جانب علیہم السلام سے کم ہیں مگر وہ مرتبے میں تمام انبیاء علیہم السلام کے امام ہیں سارے نبیوں کے سردار ہیں۔ جن کی تعریف خود خالق کائنات نے ام الکتاب قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ مرغوب الرحمن سہارنپوری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔ "نعت کہنا دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔ اگر اس میں کچھ نقص اور سقم واقع ہو جائے تو فنی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر تعریف و توصیف میں لغو ہو جائے تو نقصان وخسران کا سبب ہے اور تنقیص وکمی واقع ہو جائے تو گھاٹے اور ٹوٹے کا سودا ہے۔"

نعت گوئی یعنی رسالت مآب کی مدح سراء کی ابتدا تو قرآن مجید میں شروع ہو گئی تھی کبھی مزمل، کبھی مدثر کہیں یاسین کہیں طٰہٰ کہہ کر پکارا گیا۔ زمین پر نعت گوئی کی ابتدا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی ہو گئی تھی بلکہ اللہ کے رسولؐ نے کفار قریش کو ہرزہ سرائی کا جواب دینے کے لیے حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ کو جوابی اشعار لکھنے کا حکم دیا جن کا مرکزی نقطہ مدح رسالت ہی ہوتا تھا۔ آپؐ نے بعض اوقات مسجد نبوی میں بیٹھ کر اشعار کی سماعت فرمائی اور اچھے اشعار پر اظہار پسندیدگی بھی فرمایا۔ بعض اشعار پر آپؐ نے اصلاح بھی کی۔ پروفیسر اختر الواسع لکھتے ہیں" نعت ایک اہم صنف ہے۔ نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز تو حضرت ابو طالب نے کیا بعد میں اصحاب رسولؓ نے بھی نعت گوئی کا سلسلہ شروع کیا جس کی توثیق خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ نعت گوئی کی روایت عہد صحابہ سے موجودہ عہد تک مسلسل قائم ہے صرف تمام مسلم شعرا نے ہی نہیں بہت سے غیر مسلم شعرا نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات کا منظوم تذکرہ کر کے نعت کے فن کو اعتبار بخشا۔"

ڈاکٹر ریاض مجید اپنے مضمون "اردو میں نعت گوئی" میں فرماتے ہیں۔ "غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہو چکا تھا اور مسلمان شاعروں کی طرح ہندو شاعروں نے عقیدت ومحبت کے اظہار کے لئے حضور اکرم ﷺ کی سیرت و نعت کو بھی اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے۔ لچھمن نرائن شفیق کا معراج نامہ اور راجہ مکھن لال مکھن کا نعتیہ کلام اس اظہار عقیدت کے نمونے ہیں۔ "نور احمد میرٹھی کی کتاب بہر زماں، بہر زباں کے حوالے سے مشہور محقق شکیل احمد ضیا لکھتے ہیں:

> "ان نعتوں کے ایک شعر میں بھی مسلمانوں کی مشکوک ومجہول روایتوں کا سہارا نہیں لیا گیا ہے جن سے بعض مسلمان شعراء اپنے کلام کو مزین یا ملوث کرتے ہیں۔ "غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہو چکا تھا اور مسلم شعراء کی طرح ان لوگوں نے بھی عقیدت ومحبت کے اظہار کے لیے حضور اکرمؐ کی سیرت و نعت کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ لیکن حقیقی دور 1857 کی جنگ آزادی کے بعد سے شروع ہوا۔ مخلوط معاشرے میں اگرچہ ہندو مسلم تعلقات میں ایک کشیدگی ہمیشہ رہی اور دونوں قوموں کے تہذیب وتمدن میں واضح اختلاف رہا، اس کے

"کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کی شاعرانہ شخصیت اور مقبولیت صرف ہندوستان ہی نہیں پاکستان میں بھی تھی۔ اپنی شاعری، خوش اخلاقی اور خوب صورت شخصیت کی وجہ سے ہندو پاک کی عوام میں یکساں طور مقبول تھے۔ سکھ شعرا میں انہیں ایک معتبر اور پُر وقار شخصیت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ سحرؔ ایک ہر دل عزیز شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی خوش خلقی، بذلہ سنجی، خوش مزاجی اور حاضر جوابی کے لیے بھی مشہور تھے۔ وہ محفل کو زعفران زار بنانے کا ہنر جانتے تھے اور ہر مجلس میں لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ وہ صرف ادیب و شاعر ہی نہیں مختلف شعبہ ہائے حیات سے وابستہ نام ور شخصیات سے گفتگو اور ان سے تبادلہ خیال کرنے کو اپنے لیے باعث لطف و کرم تصور کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں خدا، مذہب اسلام اور حضرت محمد مصطفی امام الانبیا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہلِ بیت کی شان میں بھی بہت عمدہ اشعار پیش کیے ہیں۔"

باوجود اہل فکروقلم کے حلقوں میں رواداری کی ایک انوکھی فضا ملتی ہے۔غیر مسلم شعرا کی نعتوں کو جمع کرنے کی سب سے پہلے کوشش مشہور شاعر مرحوم والی آسی نے کی تھی اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یوں تو اردو میں غیر مسلم نعت گو شعرا کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔لیکن نور میرٹھی نے جو کتاب " بہ ہرزماں بہ ہرزباں" مرتب کی وہ بہت اہمیت کی حامل ہے اس میں انہوں نے 336 غیر مسلم شعراء کے نظریہ کلام کو یکجا کیا ہے۔

یہ امر خوش گوار ہے کہ نعت گو شعرا کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہے۔بلکہ ایسے غیر مسلم شعرا ہزاروں کی تعداد میں ہیں جنہوں نے آقائے دوجہاںؐ کی بارگاہ میں نعت پاک کی صورت گل ہائے عقیدت پیش کیے اور ان کا کلام قبول عام قرار پایا۔

یوں تو غیر مسلم نعت گو شعراء کی فہرست بہت طویل ہے۔مگر چند قابل ذکر شعراء کے نام پیش خدمت ہیں۔ دیا پرساد غوری، دیا شنکر نسیم لکھنوی، روپ چند، شگن چند جین روشن، شیو پرشاد وہبی لکھنوی، کرشن موہن، کشن پرشاد گلزار دہلوی، گوہر دہلوی، لبھو رام جوش ملسیانی، پچھمی نرائن سخا، مکھن لال مکھن، مہر لال سونی ضیا، ہری مہتا ہری، مہندر سنگھ بیدی، نوبت رائے نظر، آنند موہن زتشی، ستیا پال آنند، عرش ملسیانی، شنکر لال ساقی، ہری چند اختر، چندی پرشاد شیدا، چندر پرکاش جوہر بجنوری، درگا سہائے سرور، جگن ناتھ آزاد، جگن ناتھ کمال کرتار پوری، فراق گورکھپوری، دلو رام کوثری، آنند موہن زتشی، ستیا پال آنند، عرش ملسیانی، شنکر لال ساقی، ہری چند اختر، اشونی کمار اشرف، اوما شنکر شاداں، امر ناتھ آشفتہ دہلوی، برج نارائن کیفی، بالا سہائے متصدی، بھگوت رائے راحت کاکوروی، بہادر برق، تربھون شنکر عارف، پربھو دیال رقم، تلوک چند محروم، رویندر جین چاند بہاری لال ماتھر صبا، پیارے لال رونق، تربھون ناتھ دہلوی، چندر بھان خیال، اسی طرح غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام اور کتابوں کا تذکرہ کیا جائے تو فانی مرادآبادی کا مرتب کردہ انتخاب "ہندو شعراء کا نعتیہ کلام" سر فہرست ہے۔جو عارف پبلشنگ ہاؤس لائل پور سے 1963 میں شائع ہوا جس میں ہندو شعراء کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے-محمد محفوظ الرحمن کا مرتبہ مجموعہ "ہندو شعرا دربار رسول (ﷺ) میں" گلشن ابراہیمی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا-محمد الدین فوق کا مرتبہ انتخاب "اذانِ بت کدہ" بھی اہم ہے-عبد المجید خان سوہدری کا مرتبہ انتخاب "ہندو شعراء کا نعتیہ کلام" بھی قابل ذکر ہے-"بہر زماں بہر زباں" نور احمد میرٹھی کی لکھی ہوئی مفصل کتاب ہے-جس میں غیر مسلم شعراء کے نعتیہ گوئی کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے-یہ کتاب ادارہ فکر نو کراچی سے 1996 میں شائع ہوئی ہے جس کے کل 685 صفحات ہیں اور 336 شعراء کے نعتیہ کلام کو یکجا بھی کیا گیا ہے اور مفصل و مدلل تعارف بھی دیا گیا ہے-ڈاکٹر اظہار احمد گلزار کی کتاب "سارا عالم ہے منور آپ (ﷺ) کے انوار سے" حق پبلی کیشنز لاہور سے 2009 میں شائع ہوئی جو کہ 366 صفحات پر مشتمل ہے اور 257 غیر مسلم شعرآ کے نعتیہ کلام پر تفصیلی تحقیق کی گئی ہے-اسی طرح ایک اور کتاب کا نام اہم ہے۔"نعت گویان غیر مسلم" ہے-اس کے مصنف پروفیسر عبد المنان طرزی ہیں-یہ کتاب 2018 میں آئی بی ایس بک سٹور پرائیویٹ لیمٹڈ دریا گنج نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے-اس کتاب کے کل 285 صفحات ہیں اور 372 شعرآ کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے-ان مرتبہ وتالیف کردہ کتب کے علاوہ بھی کئی نمایاں ادبی و مذہبی رسائل میں غیر مسلم شعرآ کی نعت گوئی کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے-غیر مسلم شعرآ کے ہاں خاتم النبیین (ﷺ) کی ذات مقدسہ کو پیش کی گئی خراجِ تحسین کی عملی مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں-

مہاراجہ سر کشن پرشاد پہلے معروف غیر مسلم نعت نگار تھے جنہوں نے کثیر تعداد میں سے نعت رسول کہی۔آپ کے اشعار عقیدت کے جذبات واحساسات اور عشق رسول سے معمور ہیں۔ان کے کلام کو پڑھ کر محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی غیر مسلم شاعر کا کلام ہے۔آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری جمال کے بارے میں متعدد اشعار لکھے ہیں جن میں آپ کے زلف وعارض، خدوخال اور ابرو اقامت کے حسن کو تشبیہ اور استعارہ کی شکل میں پیش کیا ہے اور ان میں عربی الفاظ و تراکیب بھی استعمال کی ہیں۔آپ کا مجموعہ 200 صفحات پر مشتمل ہے۔ان کا ایک نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں
پر بندہ ہوں اس کا جو ہے سلطان مدینہ

☆

مدینہ کو چلو دربار دیکھو
رسول اللہ کی سرکار دیکھو

کشن پرشاد

دلو رام کوثری نین بھی نعت گوئی میں بہت شہرت پاہ برصغیر کے مشہور صوفی پیر جماعت علی شاہ نے آپ کی شاعری سے متاثر ہو کر آپ کو حسان الہند کا لقب دیا تھا۔آپ نبی کریمؐ کی محبت وشفقت اور حلم و درگزر سے بہت متاثر تھے اس لیے آپ نے انہیں ہی اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔جیسے

کچھ عشق محمدؐ میں نہیں شرط مسلماں
ہے کوثری ہندو بھی طلب گار محمد

عرش ملسیانی بھی صاحب دیوان نعت گو شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔آپ کے مجموعہ کا نام آہنگ حجاز ہے۔آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ مسلم اور غیر مسلم کے مخلوط معاشرے میں مذہبی تعصب سے اوپر اٹھ کر باہمی محبت ویگانگت کو فروغ دیا۔آپ کی شاعری میں نبی کی ذات سے عقیدت ومحبت دلی تڑپ اور خلوص کی چاہت پائی جاتی ہے۔

جیسے:

تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خونِ ہر بشر
حسن نمود زندگی، رنگ رخ حیات نو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر جاری وساری ہے اور قیامت تک اسی طرح جاری وساری رہے گا۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس ان کے ماننے والوں کے ساتھ ساتھ نہ ماننے والوں نے بھی ان کی شان میں ایسے نعتیہ کلام تخلیق کئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔غیر مسلم شعراء کے قلم اور زبان سے نعت گو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیا، ختم رسل رحمۃ العالمین ہیں۔خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عالم گیر شخصیت کے حامل، صادق، امین، افضل ترین خیر البشر ہیں۔

عبد المنان طرزی اپنی تصنیف "نعت گویاں غیر مسلم" کے صفحہ 170-171 پر کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی ادبی شناخت اور نعت پاک کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں۔

اک مہندر سنگھ تھے بیدی سحر
اردو کے شاعر بڑے ہی معتبر
آپ سے آئیں کتابیں بھی کئی
خوب ہیں پر کیف نعتیں آپ کی

اس تحریر میں کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی نعتیں تحریر کروں گی تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انصاف پسند غیر مسلم بھی والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی شاعرانہ شخصیت اور مقبولیت صرف ہندوستان ہی نہیں پاکستان میں بھی تھی۔ اپنی شاعری، خوش اخلاقی اور خوب صورت شخصیت کی وجہ سے ہندو پاک کی عوام میں یکساں طور مقبول تھے۔ سکھ شعرا میں انھیں ایک معتبر اور پُر وقار شخصیت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ سحر ایک ہر دل عزیز شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی خوش خلقی بذلہ سنجی، خوش مزاجی اور حاضر جوابی کے لیے بھی مشہور تھے۔ وہ محفل کو زعفران زار بنانے کا ہنر جانتے تھے اور ہر مجلس میں لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ وہ صرف ادیب و شاعر ہی نہیں مختلف شعبہ ہائے حیات سے وابستہ نام ور شخصیات سے گفتگو اور ان سے تبادلہ خیال کرنے کو اپنے لیے باعث لطف و کرم تصور کرتے تھے۔

انہوں نے اپنی شاعری میں خدا، مذہب اسلام اور حضرت محمد مصطفی امام الانبیا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہلِ بیتؑ کی شان میں بھی بہت عمدہ اشعار پیش کئے ہیں۔ ان اشعار میں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایک قوم کا نبی یا ایک قوم کا رہنما نہیں بلکہ رحمۃ للعالمین، سرور کائنات کے عظیم مرتبے کا اعتراف بڑی محبت اور پوری حق گوئی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اسلام کی خوبیوں کو پوری سچائی، ایمانداری اور وسعت قلبی کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے۔ سحر صاحب کی عقیدت و محبت صرف محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ وہ تو نبی کے مسکن اور وطن کے بھی شیداء تھے۔ اس شہر کا ادب و احترام بھی ان کے رگ و ریشے میں بسا ہوا تھا۔ رسول کی محبت میں انہوں نے سیکڑوں اشعار تخلیق کئے ہیں۔ جنہیں اہلِ اردو زبان اور عاشقان رسول کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ایسے معزز عاشق کو محبت اور عزت تو ملنی ہی تھی۔

تکمیل معرفت ہے محبت رسولؐ کی
ہے بندگی خدا کی اطاعت رسولؐ کی
ہے مرتبہ حضور کا حالات فہم و عقل
معلوم ہے خدا کو ہی عزت رسولؐ کی

مقدروں سے جو یہ اہتمام ہوجائے
کہ میری روح کا طیبہ مقام ہوجائے

☆

یہی ہے ایک تمنا زندگی عدم
حریم پاک میں عرض سلام ہوجائے
یہ آرزو ہے مدینے پہنچ کے اے مولی
نثار روضہ پہ ادنیٰ غلام ہوجائے
جو کام عشق نبی میں تمام ہوجائے
حصول لذت کیف و دوام ہوجائے
حبیب پاک بلا لیں اگر مجھے تو ساحر
مری رساء طالع کا نام ہوجائے

ایک اور نعت پاک کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بلندی پہ اپنا نصیب آ گیا ہے
در پاک مولا قریب آ گیا ہے
زباں پر جو ذکر حبیب آ گیا ہے
میرا وقت بخشش قریب آ گیا ہے

دعا یاد مولا میں جس وقت مانگی
لبوں پر میرے یا مجیب آ گیا ہے

ہم کسی دین سے ہوں، قائل کردار تو ہیں
ہم ثناء خوانِ شہ حیدرِ کرارؓ تو ہیں
نام لیوا ہیں محمدؐ کے پرستار تو ہیں
یعنی مجبور پئے احمد مختار تو ہیں

عشق ہو جائے کسی سے، کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

☆

مقدروں سے جو یہ اہتمام ہو جائے
کہ میری روح کا طیبہ مقام ہوجائے
یہی ہے ایک تمنا زندگی عدم
حریم پاک میں عرض سلام ہوجائے

یہ آرزو ہے مدینے پہنچ کے اے مولی
نثار روضہ پہ ادنیٰ غلام ہوجائے

☆

میری نظروں میں تو اسلام محبت کا ہے نام
امن کا، آشتی کا مہر و مروت کا ہے نام
وسعت قلب کا، اخلاص و اخوت کا ہے نام
تختہ دار پہ بھی حق و صداقت کا ہے نام

میرا اسلام ننگ و نام میں ہے، بد نام نہیں
بات اتنی ہے کہ اب عام یہ اسلام نہیں

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی شہرت نبی پاک محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں غیر مسلم شعرا نے اتنی کثیر تعداد میں نعتیہ کلام پیش کیا ہے کہ ان کا احاطہ کرنا بھی محال ہے۔ اگر وہ سب تحریریں یکجا کر دیے جائیں تو کئی ضخیم کتابیں مرتب ہو جائیں گی۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی اردو شاعری اور بالخصوص ان کے نعتیہ کلام اور رسول خدا سے محبت اور عقیدت کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

□□□

التماس

"ماہنامہ نیا دور" میں جن لوگوں کی ممبر شپ ختم ہوگئی ہو وہ زرِ سالانہ ارسال کرنے کی زحمت کریں جس سے ان کو رسالہ آئندہ بھی مستقل ارسال کیا جا سکے۔

ادارہ--

ڈاکٹر خوشنما علی

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، ڈی جی پی جی کالج ،سول لائنس، کانپور

8175948683

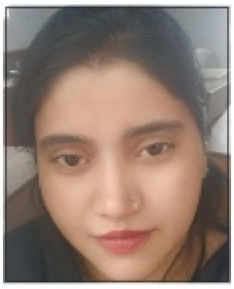

علامہ اقبال اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اس سے پہلے میں اپنے موضوع علامہ اقبال اور انکی شاعری میں عشق رسول ﷺ پر کچھ لکھوں اس سے پہلے یہ سمجھتے ہیں کہ عشق کیا ہے؟ عرف عام میں عشق کی دو ہی صورتیں ہیں یعنی عشق حقیقی اور عشق مجازی ۔ دونوں عشق میں فرق واضح کرتے ہوئے کسی صوفی نے عشق کی اس طرح تعریف کی ہے "عشق اس آگ کا نام ہے جو عاشقوں کے دل اور سینے میں جلتی رہتی ہے اور خدا کے سوا جو کچھ ہے اسے جلا کر خاک کر دیتی ہے ۔ بالکل یہی کیفیت ایک انسان کی دوسرے انسان کے لئے بھی بیدار ہو سکتی ہے جسے صوفیانہ اصطلاح میں عشق مجازی کہتے ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں کہوں تو جس عشق میں انسان اپنی خودی کو بھول کر اور اپنی نفسیاتی خواہشات کو ترک کر کے یاد الہی میں اس طرح کھو جائے کہ اسے اپنا پتہ رہے اور نہ کسی دنیاوی شے کا خیال رہے وہ عشق حقیقی ہی ہے جب کسی انسان سے شدید پیار کرنا اور اپنی خواہشات کو اپنے محبوب کے وجود تک ہی اس طرح محدود کر دینا کہ اس کے سوا عاشق کو کچھ نہ نظر آئے اور نہ کسی اور کی طلب رہے ۔ عشق ایک لافانی جذبہ ہے جس کا تعلق ایک روح سے دوسری روح تک ہوتا ہے ۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عشق ایک ایسا جذبہ ہے جس سے دو چار ہونے کے بعد انسان خودی کو بھول کر عالم بے خودی میں ہو جاتا ہے عاشق کو سوائے محبوب کے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا اور محبوب کی سرکشی عاشق کے دل و جان پر سوار رہتی ہے جب تک محبوب با مجسم ہوتا ہے وہ عشق مجازی کہلاتا ہے جہاں عاشق کو محبوب کا چہرہ ۔ اسکے اعزا اسکی خوبصورتی سے نظر آتی ہے لیکن جب یہی عشق بے مجسم ہو کر اپنے ہر دائرے کو توڑتا ہے اور عشق حقیقی کی حدود سے گزر جاتا ہے اور یہاں عاشق خود کی ذات کو محبوب کی ذات کے ساتھ یکجا کر دیتا ہے اور عاشق و محبوب میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ۔ یہ عشق ہی ہے جو ہر ناممکن کو بھی ممکن کر دیتا ہے ، یہ عشق ہی ہے جو کبھی قیس سے صحراؤں کی خاک چھنواتا ہے تو کبھی فرہاد سے پہاڑ کا سینہ چاک کر کے دودھ کی ندیاں نکلواتا ہے تو کبھی مہیوال کو سوہنی کے ساتھ دریا میں ڈوب جانے پر مجبور کر دیتا ہے ۔ یہ عشق ہی تو ہے جو ایک حبشی غلام سیدنا حضرت بلال کو موذن اول بنا دیتا ہے ۔ تو یہی عشق حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالی کو وہ مقام دیا کہ رسولؐ خدا نے اپنی امت کے لئے دعا کرنے کو کہلوایا ۔ مختصر یہ کہ عشق کی مدراج مختلف ہے ۔ کوئی عشق مجازی تو کوئی عشق تک رسائی حاصل کرتا ہے ۔ اور یہ عشق ہی ہے جو ایک معمولی انسان کو عرف عام میں الگ بنا دیتا ہے یہ عشق ہی ہے جو کسی ادنی شاعر کو علامہ اقبال بنا دیتا ہے ۔ علامہ اقبال کی ابتدائی شاعری وطن پرستی کے جذبے سے بھری ہے لیکن جب علامہ کو عشق رسولؐ و عشق اہل بیت کی لذت ملی اسکے بعد انکی شاعری کو جو وقار ملا اسکی شاہد پوری دنیا بنی ہے ۔

> "اقبال کا تصور حیات ہی عشق رسولؐ ہے اور اس تصور کے وہ پورے قائل بھی ہیں انکے مطابق جب تک انسان زندگی میں کسی کو پانے کا مقصد تڑپ جستجو نہ ہو وہ اپنی زندگی بے مطلب کی گزارتا ہے کیونکہ زندگی میں روانی ہی کسی کو پانے کے مقصد سے آتی ہے اور یہی تڑپ اور جستجو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے جذبہ عشق میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جب یہ جذبہ اپنی منزل تک پہنچتا ہے تو انسانی زندگی میں ایک نئی امنگ اور حوصلہ پیدا کرتا ہے جو اسے اپنے مقصد کی حصولیت تک پہنچاتا ہے ۔ اور یہ مقصد اور جستجو اگر اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی شفقت اور محبت کے حصول کے لئے ہو تو وہ انسان کو ایسے بلند و عرفہ مقام پر پہنچاتا ہے جس کا تصور اس نے کبھی نہیں کیا ہوتا ہے ۔ اس عالم کی تخلیق سے لیکر اب تک جتنے بھی اسلامی معرکہ ہوئے ان سب کی کامیابی کی وجہ ہی عشق رسول ﷺ تھی ۔"

اقبال کی شاعری میں عشق کی مختلف کیفیت و وجدان دیکھنے کو ملتے ہیں انکی شاعری میں جذبہ عشق کو مرکزیت حاصل ہے وہ عشق اپنے وطن سے ہو یا اپنے استاد اور والدین سے ہو اور خدا اسور اسکے رسول ﷺ اور اہل بیت سے ہو ۔ اصل میں اس کل کائنات کی وجہ تخلیق ہی عشق ہے اگر اللہ رب العزت کو اپنے محبوب محمد مصطفٰے ﷺ سے عشق نہ ہوتا تو یہ کائنات ، انسان ، شمش و قمر کچھ بھی نہ بنا ہوتا ۔ اس ضمن میں علامہ کے یہ اشعار زیر نظر ہے :

عشق از فریاد ماہنگامہ ہا تعمیر کرد!
ورنہ ایں بزم خموشاں ہیچ عفوغائے نداشت

علامہ اقبال نے جب سیرت رسولؐ کا بغور مطالعہ کیا اور قرآن و احادیث کی روشنی میں آپکی سیرت طیبہ کو analyze کیا تو اس نقطہ نظر پر پہنچے کہ عشق رسول ﷺ سر دین ہے اور وسیلہ دنیا بھی مطلب یہ کہ عشق رسول کے بنا انسان نہ تو دین و آخرت کا ہے اور نہ ہی اس دنیا کا ہے۔ دنیا و آخرت میں اگر انسان کامیابی چاہتا ہے اس کے لئے شرط اول ہے کہ وہ عشق رسول ﷺ میں سر شار ہو۔ علامہ لکھتے ہیں:

ہو کہ از سر نبیؐ گیرد نصیب
ہم بہ جبریل امین گردو قریب
در دل مسلم مقام مصطفٰی است
آبرو ما ز نام مصطفٰی ست

(اسرار رموز، ص ۱۹، علامہ اقبال)

علامہ اقبال کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ انکی شاعری کا لب ولباب ہی عشق رسول اور اطاعت رسول ہے انکی زندگی کے آخری دور کی شاعری میں یہ کیفیت اپنی حدوں سے پار ہو جاتی ہے۔ علامہ کی زندگی کی تمام منزلوں پر ترقی پانے کا واحد وسیلہ عشق مصطفٰے ﷺ مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر انسان میں زندگی میں کامیابی و کامرانی چاہتا ہے تو اپنے دلوں کو رسول ﷺ کی محبت کے جام سے بھر لے اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرے اور جب انسان ایسا کرتا ہے تو اسے دنیا و آخرت میں فروغ حاصل کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس ضمن میں علامہ فرماتے ہیں:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھرمے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی آمادہ اسی نام سے ہے

اقبال کے نزدیک جب انسان حب رسول کا جام پی کر سرشاری کے عالم میں ہوتا ہے تو اس کے بعد وہ کسی اور در پر نہیں جاتا اور نہ ہی کسی دوسرے کو اپنی حاجت روائی کے لئے پکارتا ہے انسان کی غیرت اور اس کے وجود میں جو عشق رسول ﷺ سرگزشت کرتا رہتا ہے وہ اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ اپنی حاجت روائی کے لئے بھکاری بن کر کسی اور در پر صدا لگائے جب کہ تمام عالم کے لئے رحمت بن کے جوائے وہ انکا ہی خادم اور شیدائی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

در جہاں شمع حیات فروختی
بندگاں را خواجگی آموختی

(ارمغان حجاز، ص ۶۵)

اقبال کا تصور حیات ہی عشق رسول ﷺ ہے اور اس تصور کے وہ پورے قائل بھی ہیں انکے مطابق جب تک انسان زندگی میں کسی کو پانے کا مقصد تڑپ جستجو نہ ہو وہ اپنی زندگی بے مطلب کی گزارتا ہے کیونکہ زندگی میں روانی ہی کسی کو پانے کے مقصد سے آتی ہے اور یہی تڑپ اور جستجو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے جذبہ عشق میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جب یہ جذبہ اپنی منزل تک پہنچتا ہے تو انسانی زندگی میں ایک نئی امنگ اور حوصلہ پیدا کرتا ہے جو اسے اپنے مقصد کی حصولیت تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ مقصد اور جستجو اگر اللہ اور اسکے رسولؐ کی شفقت اور محبت کے حصول کے لئے ہو تو وہ انسان کو ایسے بلند و عرفہ مقام پر پہنچاتا ہے جس کا تصور اس نے کبھی نہیں کیا ہوتا ہے۔ اس عالم کی تخلیق سے لیکر اب تک جتنے بھی اسلامی معرکہ ہوئے ان سب کی کامیابی کی وجہ ہی عشق رسول تھی۔ اللہ رب العزت کو اپنے رسول سے عشق ہی تو تھا جس کی وجہ سے اس نے یہ دونوں عالم کی تخلیق کی یہ شمش و قمر سیارے بنائے نظام شمشی بنایا اور نہ جانے کتنی کہکشائے تخلیق کی۔ یہ عشق رسول ہی تھا جس نے بدر و حنین کے میدانوں میں اصحابہ اکرام کو کامیابی بخشی۔ یہ عشق ہی تھا جس نے کربلا کے میدان میں ایک چھ مہینے کے معصوم علی اصغر کو، سولہ سالہ کڑیل جوان علی اکبر کو اور شہزادہ حضرت حسن جناب قاسم کو جام شہادت نوش کرنے دیا اور راہ خدا میں ہنستے ہنستے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔ یہ عشق ہی تھا جس نے حضرت عباس علمبردار کو بازو کٹ جانے کے باوجود پانی کا مشکیزہ چھوڑنے نہ دیا اور پیاسی سکینہ کو یاد کرتے ہوئے اپنے سینے پر تیروں کا وار سہتے رہے اور شہید ہو گئے۔ یہ عشق ہی تھا جس نے امام حسین کو اپنے پیاروں کی شہادت پر صبر عطا کیا اور باطل کے سامنے جھکنے نہ دیا اپنی اور اپنے پیاروں کی زندگیوں کو ہنستے ہوئے قربان کر دیا لیکن اسلام کا پرچم جھکنے نہ دیا اور اپنے نانا کے دین کو اپنا خون دے کر جلا بخشی اور پرچم اسلام کو قیامت تک سربلند کر دیا۔" علامہ کا یہ یقین ہے کہ جب تک قوم مسلمہ کے دلوں میں عشق مصطفٰے ﷺ اور خدا کا خوف تھا تب تک وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں کامیاب تھے جیت ان کا مقدر تھی لیکن جب مسلمانوں نے اپنے دلوں سے عشق رسول ﷺ کو نکال کر دنیاوی عشق کو اپنا مقصد بنالیا تو اس کی زبوں حالی کا دور شروع ہو گیا یہ قوم اپنے دین و مذہب اور عشق رسول ﷺ سے غافل اور بدگمان ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ناکامی اور زوال اس کا مقدر بن گئی۔ اور امتہ مسلمہ کی یہ بدحالی دیکھ کر علامہ اقبال کا دل افسردہ ہو کر رسول خدا کی بارگاہ میں تڑپ کر فریاد کرتا ہے:

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مئے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات

اور

کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں؟
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات

اور

قافلہ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات"

مختصر یہ کہ اقبال عشق رسول ﷺ سے بڑھ کر دنیا میں کسی شئے کو نہیں تسلیم کرتے دنیا کا نظام ہی عشق رسول کی دلیل ہے یہ عشق ہی جو بندہ کو خدا کی معرفت اور اسکی خوشنودی دلا سکتی ہے۔ اور ایک مسلمان اس وقت ہی ایک کامل مومن بن سکتا ہے جب اسکا دل عشق رسول سے بھرا ہوا ہو اور ہماری زندگی کے سفر کی آخری منزل ہی اللہ اور اسکے رسولؐ کی معرفت کو حاصل کرنا ہے اس ضمن میں علامہ کا شعر ملاحظہ ہو:

نوع انسان مزرع و تو حاصلی
کاروان زندگی را منزلی

اور

وہ دانائے سبل ختم الرسول، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادئی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

علامہ اقبال کی شاعری پر جب ہم نظر ثانی کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انکے کلام کا ایک طویل حصہ رسول ﷺ خدا کی مدحت ومحبت کی گواہی دیتا ہے اور اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت تھی وہ سچے عاشق رسول تھے۔ ان کے تصور سے لیکر انکے کلام تک عشق رسول اللہ کی گواہی دیتے ہیں گرچہ وہ بہت بڑے فلسفی و مفکر بھی تھے اور ایک فلسفی دنیا کے ہر معاملے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتا ہے علامہ بھی ہر معاملے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے تھے لیکن جب عشق کی بات ہوتی تو وہ اپنا نظریہ بدل لیتے اور جب بات عشق رسول اللہ کی آجاتی تو بے ساختہ پکار اٹھتے:

"سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ ونجف "

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کی زندگی کا مقصد ہی مدحت رسول تھی وہ عشق مصطفےٰ ﷺ میں اس طرح گرفتار ہو چکے تھے کہ رسول خدا کا فرمان ہی آخری فرمان مانتے اس میں کسی طرح کی شک وشباہت کی گنجائش نہیں اور ان کے نزدیک یہی ایک کامل ایمان کی دلیل تھی۔ دیدار مصطفےٰ اور دیدار مدینہ کے آرزومند تھے اور یہ خواہش ان کے اشعار میں بھی نظر آتی ہے:

وہ زمین ہے مگر اے خواب گاہ مصطفےٰ
دید ہے کعبہ کو تیری حج اکبر سے سوا

اور

فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضور آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

اقبال کی زندگی کے تمام گوشوں پر جب نظر ثانی کرتے ہیں تو یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ انکی زندگی کا سب سے زیادہ ممتاز اور قدر کرنے والا جذبۂ عشق ہے اور عشق میں بھی عشق مصطفیٰ سب سے اعلیٰ و برتر ہے جو ہر عشق پر غالب نظر آتا ہے۔ اقبال کو رسول خدا سے والہانہ محبت وعقیدت تھی جس کا شاہد ان کا کلام ہے جس میں جگہ جگہ پر مدحت رسول ﷺ میں اشعار بیان ہے۔ علامہ اقبال اور انکا جذبۂ عشق رسول ایک ایسا موضوع ہے جس پر باقاعدہ مقالہ لکھا جا سکتا ہے اور میں اس مضمون کو علامہ کے اس شعر کے ساتھ ختم کر رہی ہوں جو انکے جذبۂ عشق رسول کی نمائندگی کرتا ہے:

عقل ہے تیرے سپر، عشق ہے شمشیر تیری
مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تیری
ما سوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

□□□

نعت

اے میرے قلم مثل مجاہد کے سنور بھی
یہ نعت کا میدان ہے اب اس میں اتر بھی
اے فکر مری چل ابوطالب کے تو در پر
ملتا ہے جہاں لفظ تراشی کا ہنر بھی
یوں صبر کے دامن پہ ہے اشکوں سے چراغاں
کٹ جائے گی یہ رات تو آئے گی سحر بھی
محشر میں انہیں منھ نہ لگائیں گے محمدؐ
وہ لوگ جو دنیا میں اِدھر بھی ہیں اُدھر بھی
ہے قصد مدینے کا کوئی فکر نہیں ہے
آقا کی ضمانت میں ہے اولاد بھی گھر بھی
بس ایک ہی گھر ہے وہ محمدؐ کا زمیں پر
آتے ہیں سلامی کو جہاں شمس و قمر بھی
حالات سے لڑتا ہوا پہنچا ہوں یہاں تک
"اے رحمتِ عالم نظر لطف ادھر بھی"
کرتا نہیں خوشنودئ آقا کو جو سجدے
اچھا نہیں لگتا مجھے کاندھے پہ وہ سَر بھی
شیعانِ محمدؐ ہو تو پھر غفلتیں کیسی
پتّوں ہی سے پہچان میں آتا ہے شجر بھی
وہ مانگ لی حسنین کے صدقے میں کسی نے
تھی خاکِ مدینہ پہ گزر اور بسر بھی
ہمراہ محمدؐ کے ملی ہم کو امامت
آنے کے سفر جیسا ہے جانے کا سفر بھی
تائید تھی ان کی تو ہوئی نعت مرصّع
لکھ سکتا نہیں ورنہ مجاور تو سطر بھی

مجاور مرزا ساکھنوی
ساکھنی، بلند شہر
9568786110

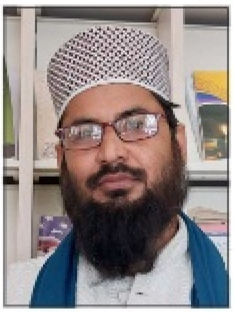

طفیل احمد مصباحی

سابق مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

8416960925

شاد عظیم آبادی کی نعتیہ شاعری

شاد عظیم آبادی برصغیر کے وہ عظیم شاعر ہیں، جنہوں نے ادبی حلقوں کو مختلف جہتوں سے متاثر کیا۔ نظم و نثر کے لحاظ سے ان کی خدمات وسیع اور وقیع ہیں۔ ایک اچھا شاعر ایک اچھا نثر نگار بھی ہو اور ایک کامیاب غزل نگار کامیاب نعت گو ہو: ایسا حسن اتفاق شاید و باید ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ اپنے معاصرین میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ ان کی غزلیہ شاعری جہاں کانوں میں رس گھولتی ہے، وہیں ان کی نعت گوئی خواجۂ کونین حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عشق و عقیدت کے جذبات میں اضافہ کرتی ہے۔ شاد اور حالی میں بڑی مناسبت نظر آتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے قدرداں اور قریبی دوست تھے۔ شاعری کی مخصوص ہیئت " مسدس " میں دونوں کو کمال حاصل تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حالی نے اپنے مسدس (مدو جزر اسلام) میں مختلف موضوعات کا احاطہ کیا ہے اور شاد نے اپنے نعتیہ مسدس (ظہورِ رحمت / میلاد نامہ) کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی " سیرتِ طیبہ " اور آپ کے فضائل و مناقب تک محدود رکھا ہے۔ "ظہورِ رحمت " کی روشنی میں سیرتِ طیبہ کے موضوع پر ایک مستقل اور مدلل کتاب تیار کی جا سکتی ہے۔ یہ نعتیہ مجموعہ شاد عظیم آبادی کی کامیاب نعتیہ شاعری کا قابلِ قدر نمونہ ہے، جو نہ صرف ایک وجد آفریں میلاد نامہ ہے، بلکہ زبان و بیان کا ایک خوب صورت مرقع اور بیش قیمت شعری و ادبی سرمایہ بھی ہے۔ موجودہ ادبی دنیا جن فن پاروں کو "تخلیقی ادب " کا نمونہ قرار دے کر ان کی قدر و قیمت کا قصیدہ پڑھتی ہے اور فنکاروں کی بارگاہ میں خراجِ تحسین پیش کرتی ہے، ظہورِ رحمت ان میں سے ایک ہے۔ زبان کی لطافت، بیان کی حلاوت، اسلوب کی ندرت، خیالات کی بلندی و پاکیزگی اور عشق و وارفتگی اس کی سطر سطر سے نمایاں ہے۔ اس " نعتیہ مسدس / میلاد نامہ " کے بارے میں حمید عظیم آبادی کی مثبت رائے یہ کہ " یہ شاعری نہیں، عبادت ہے اور میرے عقیدے میں تو سببِ مغفرت۔ جہاں تک میرا مطالعہ ہے، میں نے تو اردو میں اس طرح کے " نعتیہ مسدس " نہیں دیکھے کہ جن میں صداقت کے ساتھ ساتھ اس قدر شاعرانہ وجد و کیف بھی ہو۔ کاش یہ نادر اور آب دار موتی اہلِ نظر کے دامانِ نگاہ تک پہنچ سکیں۔ یہ بند (جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حلیہ شریف بیان کیا گیا ہے) اردو شاعری میں نادر اور عدیم المثال ہی نہیں بلکہ تاجِ سخن کے وہ گوہرِ آب دار اور لعلِ چراغِ شب ہیں جن کی بدولت اردو شاعری کو معراجِ افتخار حاصل ہوا ہے "۔

(فروغِ ہستی، ص: ۲۷، ناشر: درج نہیں)

شاد عظیم آبادی کو غزل و قصیدہ اور مرثیہ و مثنوی کے علاوہ نعت گوئی سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ نبوت و رسالت کے مقام و منصب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دیگر اصناف میں طبع آزمائی کے ساتھ نعت کے میدان میں بھی پیش قدمی کی اور متعدد " میلاد نامے " تحریر کیے۔ فارسی زبان میں ان کا مشہور غیر منقوط نعتیہ قصیدہ کافی اہمیت و معنویت کا حامل ہے۔ دو ہفتہ قبل راقم الحروف اس پر ایک تفصیلی مضمون قلم بند کر چکا ہے۔ اختر عظیم آبادی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاد نے یہ میلاد نامہ (ظہورِ رحمت) علی گڑھ کے ایک اجلاس میں سرسید، شبلی نعمانی، حالی اور پروفیسر آرنلڈ وغیرہ کی موجودگی میں پڑھ کر سنایا تھا اور داد و تحسین سے نوازے گئے تھے۔ چنانچہ اختر کاکوی عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ حضرت شاد نے نظم میں کئی " میلاد نامے " بھی لکھے تھے۔ حالی نے سنا تو گرویدہ ہو گئے اور سرسید کو مشتاق بنایا۔ چنانچہ شاد کو علی گڑھ جا کر ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں پڑھنا پڑا۔ علامہ شبلی نعمانی اور مسٹر آرنلڈ وغیرہ بھی (مجمع میں) موجود تھے۔ تعددِ ازدواج، جہاد بالسیف وغیرہ کے متعلق غیروں کے جو اعتراضات ہیں، ان کے تشفی بخش جواب تھے، لوگ سن کر بیحد محظوظ ہوئے۔

(مقدمہ ظہورِ رحمت، ص: د / ۴، ناشر: درج نہیں)

کلامِ شاد میں ادبی محاسن اور فنی خوبیاں نہ ہوں، یہ ممکن نہیں۔ ان کی مجموعی شاعری میں مواد و ہیئت، زبان و بیان، لفظ و معنی، فکر و خیال اور اسلوب کا جو حسن و دلکشی پائی جاتی ہے، وہ ان کی نعتیہ شاعری میں بہر کام موجود ہے۔ کسی بھی ادب پارے میں مواد اور ہیئت بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، انہیں دونوں کی باہمی ترکیب و تجسیم سے شعر و ادب کے تانے بانے تیار ہوتے ہیں اور مواد و ہیئت کی عمدگی کو سامنے رکھ کر ہی فن اور فنکار کی قدر و قیمت کا تعین کیا جاتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہیئت سے قطع نظر مواد کو سامنے رکھ کر گفتگو کی جائے گی۔ باقی اہلِ نظر اور اہلِ ذوق شاد کے نعتیہ کلام کے حسنِ ہیئت و اسلوب و دیگر محاسن کا خود ہی اندازہ لگا لیں گے۔ اللہ کے پیارے حبیب جناب محمد عربی روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ ذاتِ کبریا، نورِ خدا، محرمِ اسرارِ حق، آئینۂ صفاتِ الٰہی، ہادیِ کونین، سلطانِ دارین، باعثِ تخلیقِ عالم اور خامۂ قدرت کے شہکار ہیں۔"

شادؔ عظیم آبادی نے "ظہورِ رحمت" کا آغاز بڑے اچھوتے انداز میں کیا ہے، جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی لطافت اور شعری معنویت وافر مقدار میں موجود ہے۔ نعت گوئی، دیباچۂ سخن، شعروادب کی آبرو، طغرائے لوحِ عشق، دین کی پہچان، اسلام کا نشانِ امتیاز، سرتاجِ عرش، آنکھوں کا نور، دلوں کے لیے وجہِ سرور، زیبائشِ کلام اور زینتِ بیان سب کچھ ہے۔ ان تمام حقیقتوں کو شادؔ نے جس والہانہ طریقے سے بیان کیا ہے، وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ کو نگینوں کی مانند انگشتِ سخن میں جڑ دیا گیا ہے۔ وہ جو آتشؔ نے کہا ہے کہ "شاعری اور بندشِ الفاظ نگینہ جڑنے کا عمل ہے اور شاعری مرصّع سازی کا کام ہے"۔ کچھ یہی حال ذیل کے اشعار کا بھی ہے۔ ملاحظہ کریں:

دیباچۂ سخن ہے شہِ انبیا کی مدح
محبوب ہے دلوں کو حبیبِ خدا کی مدح
طغرائے لوحِ عشق ہے خیر الوریٰ کی مدح
اسلام کا نشان ہے اس پیشوا کی مدح

نعتِ رسولِ حق ہے ہماری سرشت میں
امت پہ اس کا راز کھلے گا بہشت میں

شادؔ عظیم آبادی ایک وسیع المطالعہ شاعر تھے۔ اسلامیات اور تواریخ وسیر کی گہری معلومات رکھتے تھے۔ "ظہورِ رحمت" کے مطالعہ سے ان کے تاریخی شعور، دینیات کا وسیع علم اور سیرتِ طیبہ پر ان کی گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل کے اشعار دیکھیں۔ اتنی بلند پایہ نعتیہ شاعری وہی کرسکتا ہے، جو سچا عاشقِ رسول، باکمال نعت گو اور اسلامیات کا وسیع مطالعہ رکھتا ہو۔

نورِ خدا و باعثِ ایجادِ کائنات
اعلیٰ ترین صنعتِ خلاقِ شش جہات
شمعِ جمالِ لم یزل، آئینۂ صفات
ہادیٔ انس و جاں و خضرِ جادۂ نجات

بندوں کو ان کے نحوی اصطلاح "مبتدا و خبر" کا صنفِ نعت میں فنکارانہ استعمال شاعر کی اخاذ طبیعت پر دال ہے۔ اسی طرح حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو "بزمِ قدم میں روشنی بکھیرنے والا قمر" کہنا بھی شاعر کی وسعتِ فکر و نظر کی دلیل ہے۔ مصدرِ کائنات، خواجۂ کونین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات جملہ مخلوقات کی تخلیق کا سبب ہے۔ آپ باعثِ ایجادِ عالم اور وجہِ کن فکاں ہیں۔ آپ کے نورِ اقدس اور جوہرِ پاک سے دونوں جہان زمین و آسمان، عرش و کرسی، لوح و قلم، شمس و قمر، نجوم و کواکب، بحار و انہار، اشجار و جبال وغیرہ پیدا کیے گئے۔ آپ مصدرِ کائنات اور اصلِ کل موجودات ہیں۔ اگر آپ کی تخلیق نہ ہوتی تو زمین و زماں اور مکین و مکاں و دیگر مخلوقات وجود میں نہیں آتے۔ اسی لیے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کہتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہے وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

محقق علی الاطلاق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ الباری "مدارج النبوۃ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ایک دائمی اور ابدی حقیقت ہے کہ اولِ مخلوقات اور ساری کائنات کا ذریعہ اور تخلیقِ عالم و آدم علیہ السلام کا واسطہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: اول ما خلق اللہ نوری (اللہ رب العزت نے تمام مخلوقات سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) اور تمام مکونات (موجودات) علوی وسفلی آپ ہی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ آپ ہی کی جوہرِ پاک سے ارواح، شبیہات، عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، دوزخ، ملک و فلک، انسان و جنات، آسمان و زمین، بحار (دریا، سمندر)، جبال (پہاڑ) اور تمام مخلوقات عالمِ ظہور میں آئی اور باعتبارِ کیفیت تمام کثرتوں کا صدور اسی وحدت (نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے اور اسی جوہرِ پاک سے ساری مخلوقات کا ظہور و بروز ہے۔

(مدارج النبوۃ، جلد دوم، ص: ۱۳، مطبوعہ: شبیر برادرز، لاہور)

مشیت ایزدی نے اپنی معرفت وعبادت کے لیے سب سے پہلے جملہ مخلوقات کے سردار، سلطانِ انبیا و رسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا۔ پھر یہ نورِ محمدی صدیوں عرشِ الٰہی کے نیچے اور سایہ سدرہ میں رہ کر اللہ رب العزت کی تسبیح و تحمید میں مصروف رہا اور حسبِ مشیت ایزدی مختلف مقامات کی سیر کرتا رہا اور بالآخر آدم علیہ السلام کی پیشانی پر نمودار ہوا۔ بعد ازاں نسلاً بعد نسلاً اصلابِ طیبہ سے ارحامِ طاہرہ کی طرف یہ نور منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ درِ نایاب بطنِ آمنہ رضی اللہ عنہا میں جلوہ گر ہوا اور آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ کے نور سے سارا عالم منور و مجلّیٰ ہوگیا۔

شادؔ عظیم آبادی نے "نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم" پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس کے آغاز و ارتقا پر فکر انگیز اشعار نظم کیے ہیں۔ یہ بند دیکھیں:

جس وقت تک ہوئی تھی نہ مشہودِ کائنات
لاریب اک خزانۂ مخفی تھی اس کی ذات
پنہاں تھے اس کے پردۂ قدرت میں سب صفات
چاہا کہ ہو ظہور، کرے خلق شش جہات

جوش آ گیا جو قدرتِ حق کے ظہور کو
پیدا کیا خدا نے محمد کے نور کو

☆

احمد کے نورِ پاک سے محمود وہ ہوئے
آخر ملائکہ کے بھی مسجود وہ ہوئے

علامہ شیخ احمد بن محمد قسطلانی (متوفی: ۹۲۳ھ) اپنی مایۂ ناز تصنیف "المواہب اللدنیۃ" میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "طہارتِ نسب" پر ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے اور تاریخ ابن عساکر و تفسیر درِ منثور کے حوالے سے یہ حدیث نقل کیا ہے:

لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الطیبۃ الی الارحام الطاھرۃ مصفیً مھذبا لا تنشعب شعبتان الا کنت فی خیرھما۔

(المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، جلد اول، ص: ۴۶، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے پاک صلبوں سے پاک رحموں (بطنوں) میں برابر منتقل کرتا رہا صاف وشفاف اور مہذب طریقے پر۔ سب سے بہتر خاندان میں میری نشو و نما ہوتی رہی۔

شادؔ عظیم آبادی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اصلابِ طیبہ سے یوں ہی نورِ مصطفیٰ
ارحامِ طاہرہ کی طرف منتقل رہا
جب آمنہ کے بطنِ مبارک میں پائی جا
وقت آ گیا ظہورِ جمالِ جناب کا

ولادتِ مصطفیٰ کے وقت جن و بشر اور حور و ملک نے بے پناہ خوشیوں کا اظہار کیا تھا۔ خانۂ کعبہ

اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر فرشتوں کی بارات اتر آئی تھی۔ مواہب اللدنیہ و دیگر کتب سیرت میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اسی لیے تو شاد معانی کا اظہار کرتے ہوئے شاد کہتے ہیں :

تا عرش ہے ولادتِ مولیٰ کی دھوم دھام
ہے قدسیوں کا خانۂ ہاشم میں ازدحام
مملو ملائکہ سے ہے بیتِ خدا تمام
خالی نہیں ہے رحمتِ حق سے کوئی مقام

محبوب حق عدم سے ہیں تشریف لانے کو
آج آپ سرفراز کریں گے زمانے کو

عاشق صادق اپنے محبوب سے بھی عشق و عقیدت کا دم بھرتا ہے اور اس سے منسوب اشیا پر بھی جان و دل نثار کرتا ہے۔ کیوں کہ نسبت سے شے محبوب و ممتاز ہوتی ہے۔ شاعر کو اپنے نبی سے بھی غایت درجہ محبت ہے اور اس ماہِ مبارک سے بھی انسیت ہے، جس میں ان کی ولادت ہوئی ہے۔ شاعر اپنے نبی کی ولادتِ طیبہ کو دولت سرمدی اور اللہ رب العزت کی ایک عظیم نعمت قرار دیتا ہے، جو دراصل قرآن کی خوب صورت ترجمانی ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: لقد من اللہ علیٰ المومنین اذ بعث فیھم رسولا۔ اس پر مُشیر ہے۔ نیز شاعر اپنے ممدوح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف و عنایات، ان کے سراپا فیض و رحمت پر بھی قربان ہونے کا اعلان و اعتراف کرتا ہے، جو نعت گوئی کا ایک عظیم وصف و خصوصیت ہے۔

اے اولِ ربیع ! اس آمد پہ میں نثار
اس کبریا کی دولتِ سرمد پہ میں نثار
الطاف و فیض و رحمتِ بیحد پہ میں نثار
دی نعمتِ بہشت، محمد پہ میں نثار
دوزخ کا اب نہ خوف نہ دھڑکے عذاب کے
توحید خود بتائے گی رستے صواب کے

ایک عظیم اور قادر الکلام نعت گو کی حیثیت سے شاد عظیم آبادی ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ موجودہ ادبی حلقہ ان کی نعت گوئی پر توجہ نہ بھی دے تو اس سے ان کی ادبی عظمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کی نعت گوئی میں مواد کی عمدگی اور ہیئت کی دلکشی دونوں وصف پایا جاتا ہے اور یہی ان کے کامیاب نعت نگار ہونے کی دلیل ہے۔ شاد نے اپنے نعتیہ کلام اور میلادی نظموں میں تازگی، شگفتگی، نادرہ کاری، رنگارنگی اور گہرائی و گیرائی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ خیالات کی بلندی، افکار کی پاکیزگی، جذبات کی رنگارنگی، احساسات کی ہمہ جہتی، لطافت لسان، ندرت بیان اور جدتِ اسلوب نے ان کے نعتیہ کلام کو "ادب معلی" کا بے نظیر نمونہ بنا دیا ہے۔ لیکن برا ہو اس تعصب کا جو شاد سمیت دیگر عظیم شعرا کی نعت گوئی کو قصداً پردہ خفا میں رکھنے پر مُصر ہے۔ شاد عظیم آبادی کی نعت گوئی کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر فرحانہ شاہین لکھتی ہیں:

شاد عظیم آبادی کی شاعری اور قادر الکلامی کا معترف سارا ادبی حلقہ ہے۔ انہوں نے متفرق اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے........ ایک نعت گو کی حیثیت سے بھی ان کا مقام کافی بلند و بالا ہے۔ "ظہور رحمت" ان کی مقبول ترین نعتیہ تصنیف ہے۔ پیارے حبیب خدا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مقدس، زیست اقدس اور سیرتِ پاک پر انہوں نے بڑی رعنائی و دلکشی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی نمایاں خصوصیات سادگی، صفائی، روانی اور فصاحت و بلاغت ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جوشِ عقیدت اور اطاعت و تسلیم کے دامن سے بھی گہرے طور پر وابستہ ہیں۔

(بہار میں اردو کی نعتیہ شاعری کا تنقیدی مطالعہ ص: ۳۲۸،۳۲۹)

٭ شاد کے نعتیہ کلام میں پیکر تراشی کا عمل ٭:

"پیکر تراشی" جسے سراپا نگاری بھی کہتے ہیں، اردو شاعری کا ایک مخصوص اسلوب (Style) ہے، جس میں شعرا اپنے ممدوح کا سراپا یعنی اس کے خد و خال، زلف و رخسا، قد و قامت اور لب و رخ وغیرہ کو ایک مخصوص شاعرانہ اسلوب اور والہانہ انداز میں بیان کرتا ہے، جو بعض اوقات مبالغہ کی دائرے کو عبور کرتے ہوئے "اغراق" کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن نعت گوئی میں ایسا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ نعت کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا شعری و نثری اظہار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مظہر حسن ازل، آئینہ صفاتِ رب اور نائب پروردگار ہیں۔ آپ کی ذاتِ قدسی صفات کا تو یہ عالم ہے کہ شاعر کہنے پر مجبور ہے :

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، ید بیضا داری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپا، وجود ناز، حسن و جمال، لب و رخسا اور خد و خال وغیرہ کی جتنی بھی تعریف کی جائے، وہ کم ہے۔ شاد عظیم آبادی نے اپنے نعتیہ کلام میں ممدوح کائنات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال اور آپ کے "سراپا" کا جو حسین نقشہ کھینچا ہے، وہ قابل قدر اور لائق رشک ہے۔ ان کی سراپا نگاری و پیکر تراشی اپنے اندر بڑی کشش اور جاذبیت رکھتی ہے۔ شاد کی نعتیہ پیکر تراشی کا نمونہ پیش کرنے سے قبل" پیکر تراشی" کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

اس کائناتِ رنگ و بو میں جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں اور اس کا گہرا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس کی تصویر ذہن کی اسکرین پر چھپ جاتی ہے۔ منطقی حضرات اسی کو علم کہتے ہیں یعنی ان کے نزدیک شے کی صورتِ ذہنیہ کا نام علم ہے۔ ذہن کی اسکرین پر چھپی ہوئی اسی تصویر/ خاکہ/نقش کو شعری اصطلاح میں" پیکر" کہتے ہیں۔ اب شاعر، ادیب اور فنکار اس ذہنی تصویر کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کی چلتی پھرتی تصویر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو شعر و ادب کی اصطلاح میں" پیکر تراشی" اور" محاکات" کہا جاتا ہے۔" پیکر" اور" پیکر تراشی" کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنے کے لیے یہ اقتباس مفید ثابت ہوگا۔ ڈاکٹر توحید احمد خاں لکھتے ہیں :

کائنات کی مختلف اشیا اور کیفیات کے مفہوم اور ان کے صحیح تصور کی حقیقت کو پہنچنے کے لیے کچھ خیالات ذہن میں منقش ہوتے ہیں اور ان خیالات سے اس شے کی اصلیت کا انکشاف بھی ہوتا ہے۔ بس ذہن میں منقش ہونے والے یہی خیالات جو چشم بصارت سے پرے ہوتے ہیں اور کسی حقیقت و کیفیت کا اظہار کرتے ہیں" پیکر" ہوتے ہیں۔ یہ پیکر کبھی تو فقط اشیا کی ماہیت کو سمجھاتے ہیں۔ مثلا: حور کا تصور کیا جائے تو ذہن میں ان دیکھی حور کا ایک مخصوص تصور قائم ہو کر ایک نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ اسی طرح جبریل، جنت اور جہنم وغیرہ۔ اسی طرح بصری اشیا کے تصور سے ان چیزوں کا ایک خیال ایک نقشہ ذہن میں قائم ہو جاتا ہے۔ مثلاً: دریا، شجر، سنبل، گیسو وغیرہ کے خیال سے ذہن میں ان کے نقوش اس طرح قائم ہو جاتے ہیں کہ گویا آنکھ انہیں دیکھ رہی ہو اور وہ چیز اصل ہیئت کے ساتھ سامنے کھڑی ہو۔ بس اس وقت قائم ہونے والا ذہنی نقشہ، ذہنی شکل اور ذہنی تصور ہی" پیکر" ہے۔ اس پیکر کے اور واضح اظہار کے لیے الفاظ اور آوازوں کو ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور ان کا وہی ما قبل ذہنی تصور، وہی خاکہ دوسرے کے ذہن میں قائم کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ الفاظ اور آواز کے ذریعے ظاہر ہو کر ایک ذہن سے دوسرے ذہن میں پیدا ہونے والے ان ہی نقوش تصورات اور خاکوں کو" لفظی پیکر" کہتے ہیں۔ بعض اوقات تخلیق کار ان لفظی پیکروں کا استعمال اس زور اور دباؤ کے

ساتھ کرتا ہے کہ مذکورہ اشیا کا نہ صرف خاکہ ذہن میں نقش ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی چلتی پھرتی صورتیں آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتی ہیں۔ ذہن کی یہ کیفیت "تلازمہ" اور "محاکات" کہلاتی ہے۔

(اقبال کی شاعری میں پیکر تراشی،۱۹،۲۰)

مذکورہ بالا اقتباس کو سامنے رکھتے ہوئے خامۂ شادؔ کی سراپا نگاری و پیکر تراشی ملاحظہ کریں اور شاعر کی جودتِ فکر و فن کی داد دیں:

آئینۂ صفاتِ احد روئے لا جواب
روشن ہے جس سے عرشِ الٰہی وہ آفتاب
صفحہ یہ ہے بیاضِ حقیقت میں انتخاب
آئی اسی کے صدقے میں قرآں سی کتاب

ہر روز دیکھتی ہے جو آ آ کے دور سے
شرماتی ہے بیاضِ سحر اس کے نور سے

☆

پنجہ وہ اور ساعد سیمیں و دستِ پاک
رخشاں و نور بخش و ضیا بار و تابناک
پشتِ سمک سے جس کی چمک جائے تا سماک
موسیٰ اٹھا کے ہاتھ کہے روحنا فداک

☆

سینہ کا نور چھن کے نکلتا ہے بار بار
روشن شعاعِ مہر ہے یا پیرہن کے تار
سینہ یہ وہ ہے مخزنِ اسرار کردگار
جس پر خدا کا روزِ ازل سے ہے اعتبار

سارے رموز حق کے ذخیرے اسی میں ہیں
گاہک خدا ہے جس کا وہ ہیرے اسی میں ہیں

☆

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جسمِ اطہر کی خوشبو سے بڑھ کر کسی مشک یا خوشبو کو نہیں سونگھا۔ اسی لیے تو شادؔ کہتے ہیں:

خوشبو میں عود و مشکِ ختن سے کہیں زیاد
حلقوں میں دیکھیے چمن خلد کا سواد
بگرفت از سیاہی زلفش قلم مداد
برلوحِ کن نوشت و بنائے جہاں نہاد

ہر مو سے اس کے رشتۂ جاں ہے بندھا ہوا
ہے سلسلہ اسی کا ابد سے ملا ہوا

مندرجہ بالا نعتیہ مسدس/ اشعار میں فکری وفنی اور خالص ادبی لحاظ سے جو خوبیاں ہیں، وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ شادؔ کی نعتیہ شاعری اپنے اندر بڑی معنویت رکھتی ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں فکری تموج، معنوی گہرائی، رفعتِ خیال، تقدیسی انداز بیان، والہانہ اسلوب، شعری لطافت اور طہارتِ فکر و قلم جیسے قابل قدر عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان کا شعری لہجہ نکھرا ہوا، تراشیدہ اور منفرد و موثر ہے۔ زبان کی چاشنی، بیان کی شستگی اور صفائی و برجستگی اس پر مستزاد ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں شعری جمالیات اور فنی محاسن کا وہ گلزار نظر آتا ہے، جس کی عطر بیزیاں مشامِ جاں کو معطر کرتی ہیں اور ان کے با کمال نعت گو ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔ ڈاکٹر احمد علی جوہر کا یہ صداقت آمیز تبصرہ ملاحظہ کریں:

> شادؔ عظیم آبادی کا شمار اردو کے کلاسیکی شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کا شعری لہجہ منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ موثر بھی ہے۔ انہوں نے قدیم شعری لہجے کی پیروی بھی کی ہے اور وہ اپنے دور کے جدید طرزِ اظہار سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔ شادؔ عظیم آبادی کی شاعری کا خاص وصف زبان و بیان کی صفائی و سادگی ہے۔ ان کے ہاں بندش میں روانی چستی اور ہمواری پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جذبات کی پاکیزگی اور لطافت بھی شادؔ عظیم آبادی کی اہم شعری خصوصیت ہے۔ شادؔ عظیم آبادی نے غزل میں وارداتِ قلبی کے اظہار کے ساتھ ساتھ اخلاقی، فلسفیانہ، عارفانہ اور توحید سے متعلق موضوعات کو بھی غزل میں سمویا ہے۔ ان کی شاعری میں داخلی رنگ کے ساتھ ساتھ خارجی رنگ بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں حمد، نعت اور منقبت کے مضامین کو اس طرح جگہ دی ہے کہ اس سے ان کی غزلوں میں انفرادیت اور ایک نئی معنویت پیدا ہو گئی ہے۔

غرض کہ "ظہورِ رحمت" اردو کے چند اہم اور کامیاب ترین "میلاد ناموں" میں سے ایک ہے، جس میں مواد و ہیئت کی دل آویزی قارئین کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ صلوٰۃ و سلام اور استغاثہ و استمداد سے متعلق دو بند ذکر کر کے میں اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔ قارئین اس بیش قیمت نعتیہ مجموعے کا مطالعہ کر کے اپنے عشق و ایمان کو تازہ کریں:

اے راز دارِ پردۂ اسرار السلام
اے اعتبارِ رحمتِ غفار السلام
اے آفتابِ مطلعِ انوار السلام
اے ہم سے عاصیوں کے مدد گار السلام

ہے التجا کہ دولتِ دارین دیجیے
اے رحمتِ خدا مری تسلیم لیجیے

☆

امت کے اپنی دیکھیے احوال یا رسول
غفلت ہر ایک بات میں ہر کام میں ذہول
جو لا جواب آپ نے قائم کیے اصول
کرتے ہیں جان بوجھ کے اس میں غضب کی بھول

اے سرگروہِ مجلسِ وحدت ! دہائی ہے
ٹولی جدا ہر ایک نے اپنی بنائی ہے

□□□

ڈاکٹر راشد میاں

صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج، ٹونک

7240302056

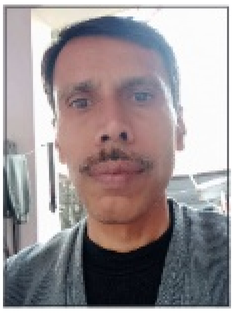

صنف نعت گوئی اور شعرائے ریاست ٹونک

جس نظم یا کلام میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جائے وہ حمد اور جس نظم یا کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف بیان ہو، اُسے لفظ نعت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دراصل نعت (ن-ع-ت) ایک سہ حرفی لفظ ہے جو عربی زبان کا مصدر ہے۔ بعض لغات میں اس کے معنی ایسا شخص جس میں قابل تعریف اوصاف پائے جائیں یعنی مدح کے لائق فرد۔ شمائل ترمذی کے مطابق اولاً "نعت" کا لفظ پیغمبر کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں حضرت علیؓ نے استعمال کیا۔ جس کا ترجمہ اس طرح بیان ہوا:

"آپؐ پر یکا یک جس کی نظر پڑتی ہے ہیبت کھاتا ہے جو آپ سے تعلقات بڑھاتا ہے، محبت کرتا ہے، آپ کا وصف کرنے والا یہی کہتا ہے کہ آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد آپ کے جیسا دیکھا۔"

اس طرح لفظ نعت حضرت محمد صلعم کی مدح و توصیف کے واسطے مخصوص ہو گیا۔ شاعری کے نعتیہ کلام میں عموماً شاعر پیغمبر کائنات حضور صلعم کی مدح و توصیف بیان کر خود کی آن سے عقیدت کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن لفظ نعت کو وسیع مفہوم کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ہر وہ لفظ نعت ہے جو رسولِ خدا کی ذاتِ مقدسہ اور حیات طیبہ سے متعلق ہو۔ اس میں نظم و نثر دونوں شامل ہیں۔ اس طرح نعت کا دائرہ موضوع محض آنحضرت صلعم کی مدح و توصیف سے مملو نہیں بلکہ موضوعِ نعت انتہائی عمیق و وسیع، اور عظیم و بالاتر ہے۔ عظیم و بالاتر اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ نعت کا موضوع دنیا کی عظیم و بالاتر اور انسان دوست شخصیت سے متعلق ہے۔ آپ محض کسی ایک ملت و مذہب ہی کے رہبر و رہنما نہیں بلکہ آپ کل کائنات اور بنی نوعِ بشر کے واسطے رحمت و راحم بن کر مبعوث ہوئے تھے۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں ان آیات کے ذیل میں آیا ہے۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین ○ وانک لعلیٰ خلق عظیم ○ لہٰذا قرآن و حدیث ہی نعت کے سب سے بڑے مراجع و مآخذ تسلیم کیے گئے ہیں۔

نعت کے لئے کوئی مخصوص یا منفرد ہیئت یا فارم مقرر نہیں۔ شاعری میں مختلف اصنافِ سخن مثلاً غزل، قصیدہ، رباعی یا مثنوی کسی بھی ہیئت کے سانچے میں نعت تحریر کی جا سکتی ہے۔ نعت کی وسعت کے سبب اس کو کسی فارم میں باندھنا، یا کسی دائرے میں مقید کرنا اس کی وسعت و ہمہ گیری کے خلاف اور نامناسب ہوگا۔ نعت تاریخی و ادبی تناظر میں: عربی زبان میں اولاً نعت گوئی کا آغاز ہوا۔ آپؐ کے محسن و مربی ابو طالب ہی اولاً آپ کے مدح و ثنا خواں تھے۔ اسی طرح ہجرت مکہ کے وقت اُم معبد نام کی ایک خاتون نے آپ کے دیدار کے بعد آپ کی شان میں چند نعتیہ اشعار کہے۔ حضرت کعب بن زبیرؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ وغیرہ صحابہ نے دربارِ رسالت میں مدح و ثنا کو مزید آگے بڑھا کر عربی نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس کے بعد ایران میں اس صنف کے فروغ و تقویت میں حکیم سنائی، خاقانی، عطار، سعدیؔ، عرفی، جامیؔ وغیرہ کے اسمائے خصوصاً اہم ہیں۔ ہندوستان میں نعت گوئی کا ارتقاء شعر گوئی کے آغاز کے ساتھ ہی ہوا۔ حضرت امیر خسروؔ کی فارسی نعتوں سے یہاں نعت گوئی کی شروعات ہوتی ہے۔ لیکن دکنی شعراء نے نعت گوئی کو رسماً ہی برتا۔ قلی قطب شاہ، ابن نشاطیؔ، وجہیؔ، غواصیؔ، وغیرہ شعراء کی مثنویوں میں روایتاً نعتیہ اشعار تحریر ہوئے ہیں۔ ان کے بعد ولیؔ سے قطع نظر میرؔ و سوداؔ کے یہاں نعتیہ قصائد تحریر ہوئے ہیں۔ نعتیہ شاعری کو باقاعدگی سے برتنے والے متقدمین شعراء میں ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، انشاءؔ، جراتؔ، ناسخؔ، میر حسنؔ وغیرہ شعراء کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

مگر اردو شاعری میں صنف نعت گوئی کے بلند مرتبہ شعراء میں کرامت علی شہیدیؔ، لطف علی لطفؔ، کافیؔ مراد آبادی، امیر مینائی، محسنؔ کاکوروی، اصغرؔ گونڈوی، بہزادؔ لکھنوی، حفیظؔ جالندھری، احمد رضا خاں بریلوی، محمد عالمگیر خاں کیفؔ، اور صولتؔ ٹونکی وغیرہ (یہ فہرست مختصر ہے اس لئے کسی قدر مکمل نہیں) کے اسمائے گرامی بالخصوص اہمیت کے حامل ہیں۔

"ریاست ٹونک کے آخری فرماں روا نواب اسمٰعیل علی خاں تاج کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "تاجدارِ مدینہ" تاجدارِ ریاست کا آئینۂ جذبات و عقیدت کہلایا۔ ۱۹۶۷ء میں ہی فرازؔ حامدی کا مجموعۂ نعت "دیارِ مدینہ" منظر عام پر آیا تو انہوں نے صنف نعت میں ہیئت اور اسلوب کے متعدد تجربات سے اس صنف کو مزید وسعت و جدت بخشی۔ میوزک انڈیا کمپنی نے ان کے نعتیہ کلام کے دو مختلف کیسیٹ "نورِ اسلام" اور "یا رب" کے عنوان سے نشر کیے ہیں۔ منشی احمد رضا خاں (عرف بھیا منیجر) نے اپنی نعتوں کا مجموعہ "فروغِ ایمان" عنوان سے پیش کیا۔ جو ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔ رضا کا کلام ان کی شاعرانہ مشاقی کا بہترین نمونہ ہے۔ اسی طرح دلؔ ایوبی نے ۱۹۷۲ء میں "نذرِ رسالت" کے عنوان سے اپنے نعتیہ کلام کا مجموعہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا۔ مختصر مصرعوں اور بحور کے ساتھ معنی آفرینی نے ان کے حسنِ کلام میں اضافہ کیا ہے۔"

ریاست ٹونک میں نعت گوئی : محمد آباد المعروف ریاست ٹونک ہندوستان کی معروف شعروادب پروررریاستوں میں شمار کی جاتی ہے۔ صوبہ راجستھان (سابق راجپوتانہ) میں جے پور کے نزدیک واقع یہ راجستھان کی تنہا اسلامی پختون ریاست تھی۔ ریاست کی عدالت شرع شریف میں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے ہوا کرتے تھے۔ لیکن غیر مسلمین کے باہمی معاملات سے متعلق فیصلوں کے لئے یہاں پنڈتوں کا تقرر بھی کیا گیا تھا۔ ریاست کے نوابین عشقِ رسولؐ میں معمور تھے۔ رسول اللہؐ سے والہانہ محبت وعقیدت کے سبب ہی ریاست اولاً محمد آباد کے نام سے موسوم کی گئی۔ ریاست کو اسی نام سے شناخت کیا جاتا رہا۔ شعروادب کی آبیاری میں یہاں کے نوابین نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھا تھا۔ راجستھان کا لکھنؤ کہلانے والی اس ریاست کے حکمران ذیشانوں سے دہلی اور لکھنؤ کے کئی معروف شعراء وادباء منسلک رہے۔ ریاست ٹونک (محمد آباد) میں نعت گوئی کی باقاعدہ ابتداء بانیٔ ریاست نواب امیر الدولہ کے عہد میں ہی ہوتی ہے۔ فقیر محمد گویاؔ (اجداد جوشؔ ملیح آبادی) جو ریاست ٹونک میں ایک عرصہ دراز تک مقیم رہے۔ ان کے دیوان ''دیوانِ گویا'' میں وافر تعداد میں نعتیہ کلام نظر نواز ہوتا ہے۔ اس عہد کے دیگر شعراء میں بساون لال شاداںؔ، (مصنف امیر نامہ) نواب عبدالکریم خاں شرقؔ کے نام نامی کے علاوہ نواب وزیر الدولہ کے عہد میں اسدؔ لکھنوی وظہیرؔ دہلوی کے ساتھ مجتمع شعراء کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اس دور میں نعت گوئی اوجِ ثریا پر جا پہنچی۔ لیکن اس عہد تک شعراء اپنا کلام بالخصوص نعتیہ کلام منظر عام پر لانا معیوب سمجھتے تھے۔ وہ اس سبب سے کہ کہیں بے حرمتی نہ ہو جائے۔ مگر جب نواب ابراہیم علی خاں خلیلؔ کا نعتیہ کلام منصۂ شہود پر آیا تو دیگر شعراء نے بھی اپنا نعتیہ کلام شائع کروانا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ امام الشعراء حضرت حافظ عالم گیر خاں کیفؔ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''وسیلۂ شفاعت'' ۱۹۰۶ء میں شائع ہو کر ملکی سطح پر قبول عام اور بقائے دوام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ کے کئی بڑے شاعر مذکورہ نعتیہ مجموعے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ محمود جان دہلوی نے تو یہاں تک فرمایا۔

یوں تو ہیں دنیا میں لاکھوں نعت گو
پر نہیں ہے کیفؔ سا شیریں مقال

دراصل ریاست ٹونک کے حفاظ کرام کی دل افروز تلاوت کلام ربانی اُن کی یادداشتِ قرآن، بنالقمہ مکمل تلاوتِ قرآن، حدروترتیل کے ساتھ تلاوتِ کلام پاک، قرآن پاک کے مظاہرے ومسابقے (قومی وعالمی سطح پر) آج بھی ملک میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اسی طرح یہاں کے شعراء کا مخصوص طرز کا نعتیہ کلام پورے ملک بلکہ عالمی سطح پر مقبول ومعروف ہے۔ حالانکہ نعتیہ شاعری ایک نازک فن ہے۔ جس میں شاعر سرورِ کائنات کی شانِ مقدسہ میں اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار نہایت ہی احترام کے ساتھ مخصوص دائرے میں رہتے ہوئے کرتا ہے۔

شعرائے ٹونک نے دورانِ بیان شمائل نبیؐ وخصائل نبیؐ بندے اور آقا کے نہ صرف حفظِ مراتب کا خیال رکھا، بلکہ عقیدت کے اظہار میں اس طرح ڈوب کر اشعار کہے کہ ان کا حسنِ کلام دلکش ودوبالا ہو گیا ہے۔ ٹونک کی نعتیہ شاعری کے ضمن میں یہ بیان صرف تعلّی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے کہ یہاں کے شعراء کا نعتیہ کلام شاعرانہ محاسن کا بہترین مرقع ہے۔ ٹونک کی نعتیہ شاعری کی چند مثالوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچے گی۔ ملاحظہ ہو۔

حضرتؐ کے نور ہی کی ہیں جلوہ نمائیاں
ساری ضیاء جہاں میں یہ نور نبیؐ سے ہے
(نواب ابراہیم علی خاں خلیلؔ)

حضوری آپ کی ہو جائے حاصل جب کبھی چاہوں
سکھا دو مجھ کو ایسا استخارا یا رسول اللہ
(کیفؔ ٹونکی)

سر ام القریٰ توحید کی بجلی نے کروٹ لی
حرم کے گنبدوں پر جھوم کر ابر بہار آیا
(اخترؔ شیرانی)

گرے ہیں جو غم امت میں مژگانِ مطہر سے
وہ آنسو حشر میں برسیں گے رحمت کی گھٹا ہو کر
(بسملؔ سعیدی)

آزادیٔ ملک کے ساتھ محمد آباد عرف ٹونک نامی اسلامی ریاست بظاہر تو ختم ہو گئی مگر ریاست میں اسلامی معاشرہ، قرآنی تعلیمات، میلاد خوانی، اسلامی اقدار، تہذیب وثقافت، اسلامی روایات ورسومات وغیرہ قصۂ پارینہ نہیں بنیں بلکہ ریاست میں قدیم اسلامی رسومات بالخصوص نعت گوئی اپنی پوری شان وشوکت، جاہ وحشمت اپنی آب وتاب کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ مقدس ماہِ ربیع الاول میں آج بھی ٹونک میں میلاد خوانی کے جلسے، شبینے، نعت خوانی کے مظاہرے ومسابقے، نعتیہ مشاعرے، نعتیہ چاربیت خوانی وغیرہ ایمان افروز مجالس کی جلوہ سامانیاں موجود ہیں۔ بعد آزادیٔ ملک (۱۹۴۷ء) ریاست ٹونک کے جن شعراء حضرات نے نعت گوئی اور مدحتِ رسولِ اکرمؐ کو اپنا موضوعِ سخن بناتے ہوئے اشہبِ قلم سے شہ پارے بنا کر جواہر ریزے بکھیرے ہیں۔ اور ثنا خوانیٔ رسولؐ کے دریا بہائے ہیں۔ ان شعراء کرام میں استاد سید محمود الحسن صولتؔ، نواب اسمٰعیل علی خاں تاجؔ، حضرت بسملؔ سعیدی، محمد صدیق خاں صاحبؔ، عبدالبصیر بصرؔ، مصطفی خاں جوہرؔ، ابن احسن بزمیؔ، دلؔ ایوبی، محمد عبدالحیٔ فائزؔ، منشی احمد رضا خاں رضاؔ، قاری معین الدین دانشؔ، قاری سلیم اللہ واصفؔ، قاری سلیم الدین اثرؔ امینی، حکیم ظہور احمد نظرؔ، فرازؔ حامدی، مختارؔ ٹونکی، امداد علی خاں شمیمؔ، ڈاکٹر شعیب ہیبتی (یہ فہرست مختصر ہے اس لئے کسی قدر مکمل نہیں) وغیرہ بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ حضرات میں سے بعض شعراء نے کلاسیکی شعریات وروایات سے اپنے حسنِ کلام کو سنوارا، بعض مشاعروں ومحافل کی زیب وزینت بنے۔ تو بعض شعراء نے موقر رسائل وجرائد اور شعری مجموعوں کے ذریعہ اپنے نعتیہ کلام کو منظر عام پر لانے کی جسارتیں کی ہیں۔ ان میں ریاست ٹونک کے آخری فرماں روا نواب اسمٰعیل علی خاں تاجؔ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''تاجدارِ مدینہ'' تاجدارِ ریاست کا آئینۂ جذبات وعقیدت کہلایا۔ ۱۹۶۷ء میں ہی فرازؔ حامدی کا مجموعۂ نعت ''دیارِ مدینہ'' منظر عام پر آیا تو انہوں نے صنفِ نعت میں ہیئت اور اسلوب کے متعدد تجربات سے اس صنف کو مزید وسعت وجدت بخشی۔ میوزک انڈیا کمپنی نے ان کے نعتیہ کلام کے دو مختلف کیسیٹ ''نورِ اسلام'' اور ''یارب'' کے عنوان سے نشر کیے ہیں۔ منشی احمد رضا خاں (عرف بھیا منیجر) نے اپنی نعتوں کا مجموعہ ''فروغِ ایمان'' عنوان سے پیش کیا۔ جو ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔ رضاؔ کا کلام ان کی شاعرانہ مشاقی کا بہترین نمونہ ہے۔ اسی طرح دلؔ ایوبی نے ۱۹۷۲ء میں ''نذرِ رسالت'' کے عنوان سے اپنے نعتیہ کلام کا مجموعہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا۔ مختصر مصرعوں اور بحور کے ساتھ معنیٰ آفرینی نے اُن کے حسنِ کلام میں اضافہ کیا ہے۔ ان حضرات کے ساتھ ہی صاحبزادہ امداد علی خاں شمیمؔ نے ۱۹۸۳ء میں ''ارمغانِ اعلیٰ'' نعتیہ مجموعہ شائع کر عشقِ رسولؐ کی عمدہ نذر پیش کی۔ اسی زمرے میں ٹونک کے بزرگ معروف شاعر وادیب مختارؔ ٹونکی نے ۲۰۱۹ء میں ''ربنا وسیدنا'' مجموعہ نعت اشاعت کروا کر نعتیہ شاعری میں آئے جمود وتعطل کو ختم کیا۔ مختارؔ ٹونکی تقریباً ۲۷ کتب کے مصنف ومشاق شاعر ہیں۔ اُن کے نعتیہ کلام میں گہرائی وگیرائی کے ساتھ روانی اور پختگی صاف طور پر جلوہ گر ہے۔ حال ہی میں انہوں نے اپنی تصنیف ''ورفعنا لک ذکرک'' (۲۰۲۳ء) میں ٹونک کے نمائندہ شعراء کا نعتیہ کلام بھی شامل کیا ہے۔ مذکورہ دونوں نعتیہ تصانیف بارگاہِ نبوت میں اُن کی عقیدتوں کے نایاب تحفے ہیں۔ ورفعنا لک ذکرک کے صفحہ ۳۶ پر مختارؔ ٹونکی ٹونک میں نعت گوئی سے متعلق یوں رقمطراز ہیں :

''فی الحقیقت ٹونک کی داغ بیل اور نعت گوئی کی شروعات لازم

وملزوم کی حیثیت رکھتی ہے جس خداداد ریاست کا نام ہی رسول اکرمؐ اور نبی معظمؐ کے نام نامی اور اسم گرامی پر محمد آباد عرف ٹونک رکھا گیا ہو.........تلاش بسیار اور جہد بے حد پر بھی ٹونک میں کوئی ایسا شاعر نہ ملے گا کہ جس نے بارگاہِ رسالت میں گلہائے نعت کا نذرانہ پیش نہ کیا ہو۔ فلاں ابن فلاں تو ایک تمثیلی انداز ہے۔لیکن ٹونک کو یہ طرۂ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں شاعر ابن شاعر ہی نہیں بلکہ ناعت ابن ناعت بھی ہوتے ہیں۔ جنہوں نے مدحتِ رسولؐ اور ثنائے حبیب کبریا کو ہی وسیلۂ شفاعت اور توشۂ آخرت سمجھا ہے۔عبارت مختصر نعت گوئی ٹونک میں بڑے ناز و نعم اور جاہ وحشم سے آگے بڑھی ہے۔"

ایک اور مقام پر مختارؔ ٹونکی مذکورہ تصنیف میں ٹونک میں اردو نعت گوئی کا ماحصل اس طرح بیان کرتے ہیں :

"مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نعت گوئی ٹونک میں فائز المرام تھی، فائز المرام ہے، فائز المرام رہے گی۔متاخرین اور موجودہ دور کے شعراء کی بہت سی دلپذیر و دلکش نعتیں اردو ادب میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔" (ورفعنا لک ذکرک،ص ۳۹)

بطور مشتے نمونہ ٹونک کے صاحب طرز شعراء کے بارگاہِ رسالت میں پیش جذبات عقیدت ملاحظہ ہوں۔

میں اور کہاں داورِ محشر کی حضوری
کام آئی فقط نسبتِ سلطانِ مدینہ
(سید محمود الحسن صولتؔ)

حق کو پہچانے تو پہچان سکے اُن کو کوئی
ورنہ ممکن نہیں عرفانِ رسولِ عربیؐ
(دلؔ ایوبی)

کیوں خوف دل میں لاؤں میں میدانِ حشر کا
میں ہوں گنہگار، شفیع الوریٰ ہیں آپؐ
(نظرؔ ٹونکی)

لکھا جاتا ہے میرا نام بھی اُن کے غلاموں میں
میری توقیر کی ضامن یہ دستاویز کتنی ہے
(ابن احسن بزمیؔ)

ہر اک کے ذہن کو اصلاحِ کامل کی ضرورت ہے
بدل دو کائناتِ دل خدارا یا رسول اللہ
(قاری واصفؔ فرقانی)

میں ہوں کب سحرؔ مدحتِ سرکار کے قابل
ہو مجھ سے بیاں کیا صفتِ خوئے محمدؐ
(خالد سحرؔ)

یوں تذکرۂ لوح و قلم کرتے رہیں گے
توصیفِ محمدؐ کو رقم کرتے رہیں گے
(حافظؔ ٹونکی)

گذارے زندگی جو بھی حبیب کبریا جیسی
حیاتِ سادہ بھی اُس کی حسیں معلوم ہوتی ہے
(مختارؔ ٹونکی)

□□□

نعت

آپ ہیں نبیوں کے سردار رسولِ عربی ﷺ
درد مندوں کے ہیں غم خوار رسولِ عربی ﷺ

جو کرے آپکا انکار رسولِ عربی ﷺ
وہ ہے دوزخ کا سزاوار رسولِ عربی ﷺ

آپکے حق میں یہ غیروں نے شہادت دی ہے
آپ ہیں صادقِ گفتار رسولِ عربی ﷺ

شق ہوا چاند بھی صرف اشارہ پا کر
کنکروں نے بھی کی گفتار رسولِ عربی ﷺ

نور پر نور تھا باطل کو مٹایا جس نے
حق کی باطل پہ وہ یلغار رسولِ عربی ﷺ

بنتِ حوا کو زمیں بوس کیا جاتا تھا
آپ اس کے لیے دیوار رسولِ عربی ﷺ

بحث نے ہمکو نہ دی مہلت اعمال کبھی
ہم رہے غازی گفتار رسولِ عربی ﷺ

ذکری حمید
اے ایم یو، علی گڑھ
8979959420

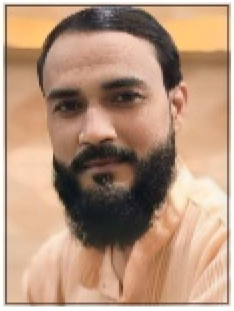

محمد رضا (ایلیا)

مبارک پور، اعظم گڑھ،

9369521135

جواد حسین نشترؔ مبارکپوری کی نعتیہ شاعری

جواد حسین نشترؔ (تاریخ ولا دت 25 / جنوری - 1926 وفات 13 / دسمبر 2015) نے مدرسہ باب العلم (مبارک پور، اعظم گڑھ) میں تعلیم حاصل کی۔ بچپن سے ہی ان کو تعلیم کی طرف خاصی دلچسپی تھی۔ بنابر ایں استاد مولانا عبدالحمید ناظرؔ کی نشترؔ پر نظر خاص رہا کرتی تھی۔ یہ ہمیشہ سے اپنے استاد کے ساتھ علمی مباحثہ کیا کرتے تھے۔ نشترؔ مولانا عبدالحمید ناظرؔ کے محبوب شاگرد تھے۔ نشترؔ بھی اپنے استاد سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ وہ اپنے استاد کے تخلص "ناظر" کو نشترؔ ناظری کی شکل میں اپنا کر محبت کا ثبوت پیش کیا۔ ان کا مشغلہ تعلیم یافتہ حضرات کی بزم میں درس و تدریس و علمی موضوع پر گفتگو کرنا تھا۔ گویا وہ اپنی استقبالی دنیا کو علم و فن سے منور و مزین دیکھ رہے تھے۔ مگر افسوس کہ رفتارِ زمانہ نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ غریبی نے ان کی کمر توڑ دی مگر انہوں نے مالک حقیقی سے روگردانی نہیں کی جس کا ثمرہ انہیں رحمات و عنایات ربانی کی صورت میں ضرور ملا اور ملتا رہے گا۔ نشترؔ کی اکثر و بیشتر زندگی ملک سے باہر گزری۔ ۴۰ سال کی عمر میں انہوں نے اپنے وطن مبارکپور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

نشترؔ کے استاد شاہ عبدالحمید ناظرؔ مدرس مدرسہ باب العلم، مبارکپور، اعظم گڑھ کے باشندے تھے۔ جن سے انہوں نے تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ شعر و شاعری کے اسرار و رموز بھی دریافت کیے۔ ناظرؔ کا انتقال 15 / جولائی 1990ء بروز جمعرات غالباً شب میں 8 / بجے ہوا۔

نشترؔ 1968 کی ذاتی ڈائری میں کچھ اس طرح اپنے سلسلۂ نسب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے جدِ اعلیٰ جناب یاد علی مرحوم جو مذہب شیعہ سے تھے۔ یہ ہماری خوش قسمتی رہی کہ ہمارے ہاتھ میں محمد و آلِ محمد کا دامن آیا یہ اللہ کا بہت بڑا احسان و کرم ہے اور اس پر جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔ ہمارے جدِ اعلیٰ کی تفصیل مجھے نہیں معلوم کیونکہ میرے بچپن ہی میں میرے دادا حیدر حسین مرحوم کربلائی کا انتقال ہو گیا"

نشترؔ کے خاندان کا تعلق مبارک پور سے نہیں تھا کسی زمانے میں مبارک پور آ کر سکونت اختیار کر آج تک یہیں قیام پذیر ہیں۔ جواد حسین نشترؔ کے خاندانی بزرگوں کو محلہ پورہ صوفی کا سردار بھی بنایا گیا تھا جس سے ان کی خاندانی عظمت بخوبی واضح اور روشن ہوتی ہے۔ نشترؔ کے خاندان کے کچھ لوگوں نے سوداگری کو پسند کیا اور بعض افراد نے دست کاری کا پیشہ اختیار کیا۔ ان کے بزرگوں کا اعظم گڑھ شہر میں ایک ذاتی مکان تھا جس میں دست کاری کی اشیا خرید و فروخت ہوا کرتی تھی جہاں پر ریاست کے مختلف علاقوں سے تاجر مال خریدنے آیا کرتے ہیں۔ مبارک پور آج بھی اسی دست کاری کے کاروبار سے جڑا ہوا ہے۔ اصل میں مبارک پور میں دست کاری اور بنارسی ساریاں تیار کی جاتی ہیں جن کی بنا پر زیادہ تر لوگوں کا بزنس بھی مبارک پور سے ہے جہاں سے غیر ممالک میں بھی ساڑیاں فروخت کی جاتی ہیں۔

نشترؔ صاحب بچپن سے ہی میلاد پاک، محافل، نعت خوانی وغیرہ میں بڑے ماہر تھے۔ ان کو پڑھنے کا بھی بہت شوق تھا۔ ہمہ وقت اسی فراق میں رہتے تھے کہ کہیں موقع ملے اور ہم اپنی آواز کا جادو سامعین پر چلائیں۔ بچپن میں انہوں نے شعرا سے اشعار لکھوا کر پڑھنا شروع کیا مگر شعرا بہت کم لکھتے تھے اور بہت دوڑاتے تھے جس کا اظہار اپنی ذاتی ڈائری میں یوں کیا ہے:

"بچپن سے میں محمد و آلِ محمدؐ کی شان میں قصائد اور نعتیں وغیرہ لکھوا کر پڑھتا تھا۔ مگر شعرا مجھے بہت کم لکھ کر دیتے تھے اور بہت دوڑاتے تھے جس سے میرے دل کو بہت تکلیف پہنچتی تھی اس لیے میں نے عزم مصمم کر لیا کہ اب میں خود ہی محمد و آلِ محمدؐ کی مدح میں اشعار لکھوں گا اور کسی سے کچھ نہیں کہوں گا اس ارادے کا کرنا تھا کہ تائید غیبی شروع ہوئی اور میں نے اللہ کا نام لے کر ایک مناجات لکھی"۔

اس طرح انہوں نے اپنی شاعری کی ابتدا کی۔

> "نشترؔ نے مضمون کے مختلف جزئیات اور متعدد نعتوں کو مختلف عنوانات سے بھی نوازا ہے۔ ان کی مشہور نعتیں جستجوئے نشترؔ، شکوۂ نشترؔ، فریادِ نشترؔ، تمنائے نشترؔ، مناجات نشترؔ ہیں۔ انہوں نے یوم آزادیٔ ہند کے موضوع پر دیش بھکتی گیت بھی تحریر کیا۔ علاوہ ازیں آدمی نامہ، شاعر کا مولوی سے خطاب، وغیرہ۔ ان کی مشہور نظمیں ہیں مگر ان کی عقیدت مند طبیعت صرف مدحیہ شاعری سے ہی میل کھاتی تھی۔ ان کا سینہ عشقِ حقیقی سے منور تھا۔ وہ الفتِ رسولؐ و آلِ رسولؐ میں ہمہ وقت سرشار رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی نعتوں میں اپنی زندگی کی تاریکیوں کا ذکر جا بجا کیا ہے۔ کہیں شکوہ ہے تو کہیں پر فریاد کسی نعت میں تمنا تو کہیں پر مناجات کہیں بے بسی کا تذکرہ تو کہیں پر غربت کا شکوہ مگر جستجو اس بات کی کرتے ہیں کہ کاش ان کو دیارِ مدینہ کی زیارت نصیب ہو جائے۔"

نشترؔ مبارکپوری اپنے دور کے قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور ہر صنف میں اپنی دسترس، طباعی، قوت لسانی، روانی اور سلاست کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ نشترؔ مبارک پوری کا کلام ترتیب وار دستیاب نہیں ہے لیکن بہ استثناء انکا سارا کلام خواہ وہ کسی نوعیت کا ہو مدح اور منقبت پر منحصر ہے۔ نشترؔ نے جب قصیدہ مدح خیر المرسلین لکھا تو اپنی انکساری کا یوں اظہار کیا۔

دربار محمدؐ کی توصیف ہو کیا ہم سے
چوکھٹ پہ فرشتوں نے آ آ کے جبیں خم کی

نشترؔ نے مضمون کے مختلف جزئیات اور متعدد نعتوں کو مختلف عنوانات سے بھی نوازا ہے۔ ان کی مشہور نعتیں جستجوئے نشترؔ، شکوہ نشترؔ، فریاد نشترؔ، تمنائے نشترؔ، مناجات نشترؔ ہیں۔ انہوں نے یوم آزادیٔ ہند کے موضوع پر دیش بھگتی گیت بھی تحریر کیا۔ علاوہ ازیں آدمی نامہ، شاعر کا مولوی سے خطاب، وغیرہ۔ ان کی مشہور نظمیں ہیں مگر ان کی عقیدت مند طبیعت صرف مدحیہ شاعری سے ہی میل کھاتی تھی۔ ان کا سینہ عشق حقیقی سے منور تھا۔ وہ الفت رسولؐ و آل رسولؐ میں ہمہ وقت سرشار رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی نعتوں میں اپنی زندگی کی تاریکیوں کا ذکر جا بجا کیا ہے۔ کہیں شکوہ ہے تو کہیں پہ فریاد کسی نعت میں تمنا تو کہیں پر مناجات کہیں بے بسی کا تذکرہ تو کہیں پر غربت کا شکوہ مگر جستجو اس بات کی کرتے ہیں کہ کاش ان کو دیار مدینہ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ ان کی تمنا لباس بشری پہننے کے بعد شروع نہیں ہوئی بلکہ جب رب کائنات عالم ارواح میں تمام ارواح سے وحدانیت اور رسالت کی گواہی طلب کر رہا تھا اس وقت سے انہوں نے جستجو و تلاش کو ایک شکل دی اور ایسی شکل جس میں ان کے مطالبات پورے ہوتے ہیں اور وہ جستجو ایک درویش کی شکل میں ان کے اشعار میں دکھائی دیتا ہے۔ جستجوئے نشترؔ میں کچھ اس طرح اپنی دلی خواہشات اور حقیقی محبت کا اظہار کرتے ہیں:

لیے اپنے دل میں ہزاروں تمنا چمن در چمن اور صحرا بہ صحرا
ازل سے میں دنیا میں درویش بن کر در شاہ باغ ارم ڈھونڈتا ہوں

نشترؔ نے متعدد نعت گو شعراء حکیم مومن خاں مومن اور محسن کاکوروی، مولانا شاہ عبدالحمید ناظرؔ، حماد مبارکپوری، جاوید مبارکپوری، ایوب مبارکپوری وغیرہ کی طرح امراء و رؤسا کی شان میں تعریفی قصیدے نظم کرنے یا پڑھنے سے ہمیشہ اعراض کیا۔ کیوں کہ وہ داد و دہش، انعام و اکرام کے خواہش مند کبھی نہیں رہے پھر بھی جو شہرت اور ناموری انھوں نے حاصل کی وہ صرف اور صرف انکی شاعری کی دین ہے۔ ان کی شاعری خالص محبت کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ انہوں نے شاعری کبھی شہرت یا اخبار و رسائل میں چھپنے کی غرض سے نہیں بلکہ تاعمر وہ عقیدے کو بنیاد بنا کر شاعری کرتے رہے۔ اسی منظر کی عکاسی کرتے ہوئے وہ خود اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

جہان فکر میں نشترؔ مرا تخلص ہے
مگر خدا کی قسم شوق اشتہار نہیں
زمانہ خود بخود پہچان لے گا تجھ کو اے نشترؔ
حکایت جب کبھی چھیڑیں گے اہل گلستاں میری

نشترؔ مبارک پوری کے کلام کے عام اوصاف یہ ہیں کہ وہ نعتیہ مضامین کو اپنے جذبات و عقائد کی گرمی کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جس سے جواہر مضامین، شاعرانہ بلند پردازی انداز کے شان و شکوہ بندش کی چستی، استعاروں کی رنگینی اور تلمیحات کے ساتھ مکمل طور پر کھل کر سامنے آتی ہیں اور اسی سے ان کے شعری امتیازات مستحکم ہوتے ہیں۔ جس میں بلاشبہ انکے معاصرین میں ایک نظیر بنکر ابھرے بلکہ یہ کہنا بھی حق بہ جانب ہوگا کہ اردو کی نعتیہ شاعری ان کی شناخت کا سبب بنی ہے۔

نشترؔ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں ظفر عمر قدوائی کہتے ہیں:

"انکا کلام خیالات نادرہ، سخن آفریں، فصاحت و بلاغت کا ایک عالم ہے جسے دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے ان کی نعتیہ شاعری درحقیقت معراج بلاغت ہے اور محمد و آل محمدؐ سے محبت کا بین ثبوت ہے۔ ان کی شاعری میں انوکھا پن، سادگی، عام فہم الفاظ وغیرہ ہی لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتی ہے۔"

نشترؔ کا کلام مبارک پور کی پیداوار ہونے کے باوجود مبارک پور کے عوامی رنگ سے الگ تھلگ ہے۔ ان کا خاص موضوع نعت ہے جس کے ذریعہ انہیں آج پہچانا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کہ ان کی شاعری ان کے دل کی آواز تھی جس کو انہوں نے نعتیہ شاعری کی شکل میں صفحہ قرطاس پر منقش کر دیئے۔ نعت گوئی کی فضا اس قدر وسیع ہے کہ اس فضا میں پرواز کرنا مشکل ہے۔ اگر شاعری کی معراج یہ ہے کہ اگر شعر گوئی مشکل مقام پر پہنچا دے تو شاعر کا یہ کمال ہے کہ اس مشکل منزل سے خوش اسلوبی سے گذر جائے۔ نعت گوئی دشوار گزار مرحلہ ہے مگر وہ بخوبی اس جادے کے راہی ہوئے۔ اس بات کا خود وہ اعتراف کرتے ہیں کہ نعت گوئی ایک ایسا پرخطر راستہ ہے جس راستے پر چلنا عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے مگر جس پر حضورؐ کی نظر عنایت ہو جائے اس کے لیے ساری مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

اے عبدیت کی روح سراپائے نور حق
تیری تجلیوں سے منور ہے ہر طبق
تونے کتاب دیں کا پڑھایا ورق ورق
تونے دیا ہر ایک کو اسلام کا سبق
کس شے سے دوں مثال کہ تو بے مثال ہے

نشترؔ مبارکپوری نے نعت کی وسیع فضا میں خوب خوب پرواز کی اور بہت سے مشکل مقامات پر انہوں نے انتہائی خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ طے کیے ہیں۔ مضمون میں موضوع کے اعتبار سے حدیث اور عقائد کی صحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خلوص و محبت کے اظہار میں تہذیب و متانت کا پاس ان کے کلام کی عام خوبیاں ہیں۔ ان سب کے علاوہ ایک امتیاز جو نشترؔ کو شاعروں کی صف اول میں کھڑا کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں سادگی ہے۔ ان کے کلام اس لیے زیادہ سادہ ہیں کیونکہ انہوں نے عوام کو نظر میں رکھ کر شاعری کی ہے جس کی وجہ سے وہ اور زیادہ مقبول ہوئے۔

نشترؔ کی نعت گوئی کا بڑا وصف یہ ہے کہ ان میں تخلیقی شان نمایاں ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نشترؔ سے پہلے بہت سے شاعروں نے نعت گوئی کو بحیثیت شاعری تسلیم تو کیا جیسے حماد مبارکپوری، ایوب مبارکپوری، مختار مبارکپوری، ظفر ناصری مبارکپوری، ندیم مبارکپوری، جعفر علوی وغیرہ وغیرہ مگر نعت کو بحیثیت ایک فن کے نہیں اپنایا تھا حالانکہ اردو شاعری میں نعت گوئی ہمیشہ سے موجود تھی جن ابتدائی لوگوں نے محض عقیدت کی بنا پر نعت کو اپنا موضوع یا نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا۔ ان کے یہاں کوئی شاعرانہ کمال نظر نہیں آتا مگر بعد کے شعراء نے نعت کو ایک صنف سخن کی حیثیت سے پروان چڑھایا ان میں محسن کاکوروی کا نام نامی زیادہ معروف ہوا لیکن ادب میں مقدار یا خوبی کے

اعتبار سے نعت گوئی بلند درجہ حاصل نہ کرسکی۔ شعراء نے صرف دعاؤں کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے کی ہے اس کے بعد کسی نے نعت کسی نے منقبت کو جگہ دی ہے۔ اب یہاں سے نشترؔ مبارکپوری کے کلام سے کچھ مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن سے ان کی شاعری کے امتیازات اور ان کی والہانہ عقیدت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

جس شان سے لہرایا حضرت نے علم دیں کا
ابتک وہی عظمت ہے اسلام کے پرچم کی

☆

وہ ذکر مصطفیٰ ہو یا ہو وہ ذکر خالق
دونوں ہی میں سہارا ایمان پروری کا

نشترؔ نے نعتیہ شاعری میں اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھ جیسا گنہگار اس نوری بشر وسردار انبیاء کی کیا مدح سرائی کرسکتا ہے بہرکیف جتنی میں نے توصیف یا مدح وثنائی ہے اس کا مقصد اپنی عاقبت سنوارنا ہے۔ شاعری میں ہمیشہ مبالغہ آرائی ہوتی ہے مگر پیغمبرؐ کی شان میں مبالغہ آرائی نہیں کی جاسکتی یہ ان کی شان ہے جس کے لیے اللہ نے عرش وفرش بنایا جس کے لیے قرآن میں ان کی تعریف کی، آسمان پر ستارے مزین کیے اسی پس منظر کی تائید کچھ اس طرح کرتے ہیں:

سرکار رسالت کی کیا شرح کرے کوئی
محبوب الٰہی کی کیا مدح کرے کوئی
توصیف ہے قرآں میں جب مرسل اعظم کی

نشترؔ مبارک پوری کی شاعری کا اہم عنصر صنائع اور بدائع میں ہے جسکے شوق میں مبارکپور کے شعراء نے اس میں اپنے اپنے کمالات دکھائے ہیں مثال کے طور پر الحاج حمادؔ مبارکپوری بحیثیت ایک قادر الکلام شاعر کے فوقیت رکھتے ہیں۔ اس میں شبہ بھی نہیں کہ بعض نے اعتدال کی راہ اپنا کر اپنے کلام کو بے مزہ نہیں ہونے دیا۔ نشترؔ کا کلام بھی شاعرانہ صناعی کا بہترین نمونہ ہے۔ تشبیہات واستعارات کنائے تجنیس اور مضمون آفرینی ان کے کلام میں جابجا موجود ہیں۔

ثنائے زلف مصطفیٰ کروں میں کس زبان سے
کہ جس کی بو سے خوشبوئے ارم بھی شرمسار ہے

نشترؔ کا کمال یہ ہے کہ ان کی آورد میں بھی زور اور آمد کا احساس ہوتا ہے انکی تشبیہات اور استعارات اور کنائے آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں انکی مضمون آفرینی میں انکا تخیل پرواز کر کے خلا میں گم نہیں ہوجاتا یہ وصف بھی نشترؔ کو انکے ہم عصروں میں فوقیت عطا کرتا ہے۔ نشترؔ کے کلام اس اعتبار سے قابل قدر ہے کہ اسکی بنیاد خلوص ومحبت پر استوار ہے نشترؔ نے اپنی شاعری کو اپنی شہرت عزت یا صلہ کا ذریعہ نہیں بنایا اپنی تمناؤں کا اظہار انھوں نے نہایت خوبی سے اپنی نعتیہ شاعری میں کیا ہے۔

ہیں لب معانی ارم تو دافت در بے بہا
ہے آنکھ نور ایزدی تو ابرو ذوالفقار ہے

نشترؔ مبارک پوری نے حقیقت بیانی سے کام لیتے ہوئے اپنی فنی ہنرمندیوں کو شادکام کرتے ہوئے اوصاف حسن حضرت محمدؐ بیان کیے اور اس ذات اقدس کی جانب اپنے قاری کی توجہ مبذول کرائی ہے۔

وہ رخ کہ جس کے حسن پر جمال حق کو ناز ہے
وہ حسن حق کہ جس پہ حسن ایزدی نثار ہے

نشترؔ حالات حاضرہ کے بگڑتے ہوئے چلن کو شہر آشوب کے انداز میں پوری شاعرانہ فنکاری کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ایسے بہت سے اصلاحی منظر نامے انھوں نے پیش کر کے اپنے عقائد میں عشق رسولؐ کا اظہار کیا ہے۔

ذرا اہل نظر سلمان و بوذر کی طرف دیکھیں
کہ ان کی کتنی الفت تھی شہنشاہ ولایت سے

امت نے دامن رسول کو چھوڑ دیا ہے زمانہ رسولؐ کے امتی جو کہتے تھے اس پر عمل بھی کرتے تھے مگر آج کے امتی جب عقیدے کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں جہاں رسولؐ ہوں گے وہاں ہم امتی ہوں گے۔ وہیں جب عمل کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہاں وہ بلند پایہ شخصیت رسول عربیؐ اور کہاں ہم گنہگار امتی ان کا ہم سے کیا تقابل ہوسکتا ہے۔ زمانہ رسولؐ کے امتی اپنے دشمنوں کا شکار کرتے تھے اور جہاں جس جگہ سے ان کا گزر ہوتا تھا ان کے لباس کو دوسرے لوگ تبرک کے طور پر چومتے تھے اور خواہش ظاہر کرتے تھے کہ کاش یہ ہمارے گھر کے مہماں ہوں مگر آج کیا ہو گیا ہے کہ اسی لباس کو دیکھتے ہی دوسرے مذاہب کے لوگ دہشت گردی کا الزام لگاتے ہیں کوئی اپنے پہلو میں بٹھانے کو تیار نہیں ہے اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ عمل کو چھوڑ کر زبانی کھوکھلے دعوے ہیں۔ انہیں بہت زیادہ افسوس ہوتا کہ جب دور حاضر کے مسلمانوں کے کردار کو دیکھتے ہیں جو اپنے آپ کو نبی کا امتی کہتے ہیں مگر صرف زبان سے ان کے اندر عمل نام کی چیز نہیں ساتھ ہی دور حاضر کے مسلمانوں کے لیے حضرت رسول خداؐ سے دعائے خیر بھی کچھ اس انداز میں کرتے ہیں

ڈبو کر رکھ دیا انسانیت کو آج انساں نے
پسینہ بہہ رہا ہے دین کے ماتھے پہ غیرت سے
بچالو اے شہ کون و مکاں اپنے محبوں کو
گھٹا الحاد کی پھر اٹھ گئی بحر ضلالت سے

ثنائے سرکار ختمی مرتبت میں ہر بند نئی صنعت لفظی ومعنوی استعارے، تشبیہات، کنائے و تلمیحات سے سراپائے رسول اکرم کو بیان کیا ہے نشترؔ مبارک پوری کو رسول پاک سے کتنا لگاؤ کتنا عشق تھا ان کے اس قصیدے کا ہر ہر لفظ نیا لطف اور نیا انبساط فراہم کرتا ہے کہا جاتا ہے کہ ''جوش کے سامنے'' الفاظ دست بستہ حاضر رہتے تھے کہ مجھے موقع دیا جائے۔'' یہی بات عاشق رسول نشترؔ مبارکپوری کے باب میں بھی کہی جاسکتی ہے اور اللہ نے انھیں بطور خاص یہ ہنر بھی دیا تھا کہ انکا استعمال وہ جس طرح چاہیں کریں۔

آتا ہے جب تصور اللہ کے نبیؐ کا
پھر جاتا ہے نظر میں وہ دور ہاشمی کا
پاؤں جو زندگی میں آنکھوں سے میں لگالوں
منزل کا راستہ ہے نقش قدم نبی کا

نشترؔ کی ایک نظم ''مولوی سے شاعر کا خطاب'' جو انہوں نے 2/اگست 1985ء کو لکھی جو اس قدر مشہور ہوئی کہ ہر خاص وعام کی زبان پر اس نظم کا چرچا تھا۔ نشترؔ نے اس نظم میں ایک ایسا پیغام دیا ہے جو واقعی دلچسپ اور مطالعہ کے لائق ہے۔ نشترؔ نے نعتیہ کلام کو جس بلند مقام تک پہنچایا ہے اس سے اہل علم باخبر ہیں۔ بعض بے عقل ایسے افراد ہیں جو شاعر کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ان کو نشترؔ نے اپنی نظم سے آگاہ کیا ہے وہ کہتے ہیں:

خدا خود بنا ہے نبیؐ کا سخنور
نبیؐ کے برادر علیؑ کا سخنور
اور انسان کی بندگی کا سخنور
ہے واللہ اپنے ولی کا سخنور
یہ ارشاد ربی بخط جلی ہے

شاعری نشتر کے نزدیک دلوں کی صداقت کا نام ہے۔ شاعری محض عقیدت ومحبت کے آشکار کا نام ہے، شاعری درس وفا ہر بشر کو دیتی ہے اور شاعر اپنی شاعری کے ذریعہ لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ لوگوں کو ترقی کی راہ دکھاتا ہے، تخیلات کی دنیا کو سنوارتا ہے اور ہر قوم وملت کو فکر وفن کی دعوت دیتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو شاعر حقیقت میں عوام کا استاد ہوتا ہے۔ ان تمام خیالات کو نشتر نے اپنی نظم میں پیش کیا ہے۔

نشتر مبارک پوری میں وہی مخصوص رنگ ہے جس کی انھیں آرزو تھی کہ ان کا کلام خواہ غزل ہو یا قصیدہ یا رباعی ہو مدح وثنائے پیغمبرؐ سے خالی نہ ہو۔ زبان وبیان کا لطف تخیل کی بلند پردازی بات میں بات پیدا کرنے کا ڈھنگ اپنے آپ میں بے مثال ہے۔ زبان وبیان کے ساتھ ان کی آواز میں ایک الگ طرح جادو تھا، سریلی آواز، جاذب الحان کے حامل تھے۔ مسجد میں اذان اکثر وبیشتر دیا کرتے تھے۔ خداداد سریلی آواز کے مالک تھے۔ نشتر کی اذان کوئی بھی سنتا تھا دور سے پہچان جاتا تھا اور کھچا ہوا چلا مسجد تک آتا تھا۔ بسا اوقات مصلیان مسجد اذان کی فرمائش کرتے تھے اور وہ بلا تاخیر اسے پورا بھی کرتے۔ ان میں ذرا سا بھی غرور نہیں تھا چاہے وہ نوحہ، قصیدہ، نعت خوانی سب میں بے مثال تھے۔ انہیں اوصاف کی بدولت ان کو خدا نے نعتیہ شاعری جیسی نعمت سے نوازا ہے۔

بقول ڈاکٹر احمد علی برقی:

"نشتر صاحب کا شعور وفکر وفن بہت ہی نرالا تھا اور ان کی شاعری نیز ان کا حسن اخلاق لوگوں کے دلوں پر راج کرتا تھا۔ جہاں تک ان کے قول وعمل کی بات وہ ایک سچے عاشق رسول وآل رسولؐ تھے اور وہ ہمیشہ کامیاب محفل کی ضمانت ہوا کرتے تھے۔ نشتر صاحب کو ہمیشہ تاریخ ادب میں نعت گو شاعر کی حیثیت سے جانا جائے گا۔"

(تاثراتی خطوط۔ ڈاکٹر علی برقی۔ بعد از مرگ)

انسان ہی کیا بلکہ خداوند تعالیٰ اور اس کے فرشتے تک رسول اللہؐ پر درود وسلام بھیجتے ہیں یہ انکی ہمہ جہت اوصاف اور خوبیوں کا ثبوت ہی تو ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آج تک کوئی ولی یا بزرگ حضرت محمدؐ کی خوبیوں اور عظمتوں کو کما حقہ معرفت رکھنے والا نہیں ہو سکا آج جو حمد وثنا کے موتی نچھاور کئے جا رہے ہیں وہ صرف بقدر ظرف ونظر وہمت ہیں۔

جب رسول کا ثنا خواں، مدح خواں اس دنیا سے جاتا ہے تو ہر مسلمان کا یقین کامل ہے کہ وہ جنت میں جاتا ہے اور فرشتے ان کے استقبال کے لیے آتے ہیں انہی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نشتر کے انتقال پر جعفر علوی مبارکپوری منظم تعزیت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

محب نبیؐ کا ہوں اتنا بتا رہے ہوں گے
علیؑ کے ہاتھ سے انعام پا رہے ہوں گے
کہ حاضری دینے نبی کی خدمت میں
رسولؐ پہلو میں اپنے بٹھا رہے ہوں گے

□□□

نعت

کیا ہی لطیف و شیریں، مولیٰ ہے نام تیرا
اور پُر ہے حکمتوں سے ہر ایک کام تیرا
بھیجے درود پیہم، پہنچے سلام تیرا
ہے واسطے نبی ﷺ کے خوب اہتمام تیرا
جی بھر گیا ہے جگ میں جینے سے میرے مالک!
اب بس خیال رہتا، ہے صبح و شام تیرا
کرتی ہے فیض حاصل اس سے ہی بزم ہستی
رخشاں ہے یوں جہاں میں حسنِ نظام تیرا
جاری اذان ہو یا، قرآن کی تلاوت!
ہر لمحہ گونجتا ہے جگ میں کلام تیرا
محفوظ ہر بلا سے رکھا سدا ہی تو نے!
سایہ فگن ہے مجھ پہ فضل دوام تیرا
خلقت تری خدایا، سوئی کبھی نہ بھوکی
روزی کا ایسا جگ میں ہے انتظام تیرا
اکتا گیا ہے جی اب بے کیف زندگی سے
رکھتا ہوں دھیان یارب ہر گاہ و گام تیرا
تاثیر اسم اعظم تھامے ہے دونوں عالم
سب کو رکھے سلامت اللہ! نام تیرا
اعجاز اس کا پہلے عارفؔ پہ تھا نہ روشن
کرتا ہے ذکر وہ بھی اب صبح و شام تیرا

سید عارف لکھنوی
عارف منزل، نزد، مدرسہ ریاض العلوم، ساٹھی، مغربی چمپارن
9430510934

پیرزادہ محمد زاہد

ریسرچ اسکالر،کشمیر یونیورسٹی

9906682005

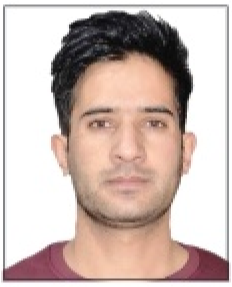

نعتیہ شاعری میں مولانا ظفر علی خان کا انفراد

مولانا ظفر علی خان اُردو ادب کے ممتاز شاعر،صحافی ،سیاستدان اور ایک بہترین قومی رہنما تھے ۔ان کی نعتیہ شاعری ان کی ادبی شخصیت کا وہ اہم ترین جزو ہے جو ان کے روحانی میلان اور رسول اللہ ﷺ سے عقیدت ومحبت کی بہترین عکاس ہے ۔ان کے یہاں والہانہ جذبات ،کمال احتیاط،شوکت کلام اور اعلیٰ فنی محاسن خوبصورتی کے ساتھ رچ بس گئے ہیں ۔مولانا کا نعتیہ سرمایہ ان کی ادبی صلاحیتوں کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی مذہب سے وابستگی اور عشق رسول اللہ ﷺ کی گہرائی کا بھی غماز ہے ۔ان کے نعتیہ کلام کے مطالعہ کے بعد یہ بات مترشح ہوجاتی ہے کہ وہ برصغیر کے ان منفرد نعت گو شعراء کی صف میں شامل ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی شاعری میں قومی اور سیاسی موضوعات کے ساتھ ساتھ مذہبی موضوعات کو شامل کر کے اردو ادب میں نعت گوئی کے فن کو نئی بلندیوں تک پہنچا دیا ۔نیز ان کی جولانی طبع اور درد دین وملت کی بدولت اُردو نعت گوئی کے فن کو وہ شوکت ورعنائی عطا ہوئی جو اس فن کی مقبولیت میں اضافے کا بہترین ضامن ثابت ہوا ہے ۔مولانا نے نعت گوئی کے فنی لوازمات کا بھرپور خیال رکھتے ہوئے اس صنف کو موضوع کی محدودیت سے باہر نکال کر اصلاح معاشرہ اور تبلیغ دین کا بہترین ذریعہ بنا دیا ۔اس کے علاوہ زبان میں سلاست وروانی اور بھاری بھرکم الفاظ سے گریز ان کے نعتیہ کلام کا بہترین خاصہ ہے ۔ان کی نعتیہ شاعری میں حالی اور اقبال کی طرح قومی اور مقامی لہر ایک انفرادی حیثیت سے سامنے آتی ہے ۔مولانا کی نعتیہ شاعری کے مطالعہ کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا بے پناہ عشق رسول اللہؐ ہے جس میں رسولؐ کے ساتھ وفاداری اور عقیدت کا اظہار انتہائی عمیق اور جذباتی انداز میں دیکھنے کو ملتا ہے ۔لیکن جو بات انہیں دیگر نعت گو شاعروں میں ممتاز اور منفرد درجہ عطا کرتی ہے وہ ان کا قومی اور سیاسی شعور ہے ۔

نعت گوئی کی ترویج وتخلیق کے متعدد محرکات سامنے آتے ہیں لیکن اس کا بنیادی اور حقیقی محرک غیر معمولی جذبہ عشق رسولؐ اور اس کا دلکش اظہار ہے ۔یہ وہ اہم ترین صنف سخن ہے جو حضور اکرمؐ کی مدح وتعریف کیلئے مختص ہے ۔اس میں شاعر نبی کریمؐ سے اپنی جذباتی وابستگی اور محبت وعقیدت کو الفاظ کی صورت میں پیش کرتا ہے ۔اس صنف کو یہ اعتبار بھی حاصل ہے کہ یہ کسی ہیئت کی پابند نہیں بلکہ ہر طرح کی ہیئت کو اپنے دامن میں شامل کر لیتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ یہ صنف موضوعی اعتبار سے کافی اہمیت رکھتی ہے اس لئے اس میں رسول اللہؐ کی تعریف وتوصیف اور ان کی عظمت کو بیان کر کے آپؐ کے اخلاق ،معجزات ،اور سیرت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا جاتا ہے ۔مولانا ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری میں یہ تمام اوصاف بدرجہ اتم نظر آتے ہیں ۔اتنا ہی نہیں بلکہ یہ صنف جن دیگر اہم ترین لوازمات کا تقاضا کرتی ہے ان سے بھی موصوف اچھی طرح واقف نظر آتے ہیں ۔مولانا کے نعتیہ کلام میں محبت،عقیدت اور تعظیم کا رنگ برنگی امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے ۔مولانا خود جذبہ سرفروشی سے سرشار تھے اور انہوں نے اپنے نعتیہ کلام کے ذریعے اُمت محمدی کے اندر یہی جذبہ سرفروشی پیدا کرنے کی کوشش کی ۔انہوں نے اپنی شاعری میں نبی اکرمؐ کی عظمت اور شان کا بیان اس قدر موثر انداز میں کیا ہے کہ قاری اور سامع بھی حضورؐ کے عشق ومحبت میں کھو جاتا ہے ۔یہ اشعار ملاحظہ فرمائے:

مجھے ناز اپنی قسمت پر ہو گر نام محمدؐ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سر پاس کو ٹھکرائے
یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ اُن کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے (۱

"نعتیہ شاعری کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو اجاگر کیا جاتا ہے ۔مولانا نے بھی اپنی شاعری میں حضور ﷺ کی تعلیمات اور اسلام کی حقانیت کے ذریعے مسلمانوں کو راہ حق کی تلقین کی ۔اپنے نعتیہ کلام میں اسلامی اصولوں اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا ذکر کر کے اپنی شاعری کو ایک عالمگیر پیغام کی صورت میں پیش کیا کہ یہ کلام پوری انسانیت کو سیدھے راستے پر چلنے کا ایک بہترین دعوت نامہ ثابت ہوتا ہے ۔اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں دیگر نعت گو شاعروں کے برعکس سماج میں اسلامی فکر کے منافی تصورات کو خاص طور پر موضوع بحث بنایا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے منکرین کی تردید میں بھی کافی نظمیں لکھیں ۔مولانا کی نعتیہ شاعری میں قومی وملی عناصر کی نشاندہی کی جاسکتی ہے ۔"

ایک اچھا نعت گو بغیر کسی بناوٹ اور مبالغے کے اپنے اشعار کے ذریعے نبی کریم ﷺ سے محبت اور عقیدت کو ایسے انداز میں پیش کرتا ہے کہ شعر قاری اور سامع کے دل کو چھوتا ہوا ان کے اندر ایمان کی حرارت اور تازگی بھی پیدا کرتا ہے۔ مولانا کی شاعری میں یہ خصوصیت اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ موجود ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو پوری انسانیت کا نجات دہندہ اور رہنما تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس دوران وہ اسلامی عقائد اور شرعی حدود کا پاسدار ہونے کی شرط کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں ایسا کوئی لفظ یا ترکیب کا استعمال نہیں کرتے جو دین اسلام کے اصولوں کے خلاف ہو۔ اس لئے وہ اپنے کلام میں مبالغہ آرائی سے پرہیز کرتے ہوئے عقائد کی درستگی کو برقرار رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں حضور ﷺ سے براہ راست التجائے مدد کے بجائے اللہ تعالیٰ سے مشکلات کا حل مانگنے کا درس دیکھنے کو ملتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شاعری میں حضور اکرم ﷺ کو بطور وسیلہ استعمال کیا گیا ہے۔ دربار رسالت مآب ﷺ میں اپنے گناہوں پر ندامت کا شدید احساس، روز محشر کی سختیوں کا خوف، حضور ﷺ سے رحمت کی آرزو اور شفاعت کی امید ان کی نعتیہ شاعری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ اشعار دیکھئے:

بندے بھلے ہوں یا بُرے تُو تو ہے اے خدا! کریم
قطع ہو کیوں کریم کا سلسلہء نوازشات
ہم بھلے ہیں یا بُرے، تیرے ہی آخر ہیں غلام
ہم کو ہم چشموں میں اے آقا نہ ہونے دے ذلیل ۲

نعت گوئی میں حضور اکرم ﷺ کی شان میں بے حد ادب اور احترام کا خیال رکھا جاتا ہے۔ شاعر کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ حضور ﷺ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی یا بے ادبی کا مرتکب نہ ہو۔ اس میں زبان و بیان کی پاکیزگی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں الفاظ کا چناؤ، ترکیب کا حسن اور بیان کی سلاست بہت اہم ہو جاتی ہے تاکہ کسی بھی قسم کے غلو اور شرک سے بچا جا سکے۔ مولانا ان باتوں سے اچھی طرح واقف نظر آتے ہیں۔ اس بات کا اعتراف شورش کاشمیری بھی کرتے ہیں۔ ان کا یہ قول ملاحظہ فرمائے:

"ان کے نعتیہ کلام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسرے شعراء کی طرح غلو سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ حضورؐ کی سیرت کا نقشہ اور ان کے محاسن کی تصویر اس کمال سے کھینچتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے سیرت النبی چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔" ۳

مولانا ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری میں حضورؐ کی سیرت طیبہ، آپؐ کے معجزات، آپ کے اخلاقی اوصاف اور اسلامی تاریخی حوالوں کا بہترین اظہار دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں مولانا نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ کو موجودہ صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے معجزات پر زیادہ توجہ دینے کے بجائے حضورؐ کے روزمرہ کے حالات و واقعات کو زیادہ اہمیت دی۔ ان کے نعتیہ کلام میں وما ارسلنک الا رحمت اللعالمین کی آیت مبارکہ کا بھرپور اظہار دیکھنے کو ملتا ہے:

عرب کے واسطے رحمت، عجم کے واسطے رحمت
وہ آئے لیکن آئے رحمۃ اللعالمین ہوکر
خدا نے اس کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھنا ہے اس کا پرتو نور صبح اولیں ہوکر ۴

نعتیہ شاعری کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رسول اللہؐ کی تعلیمات کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ مولانا نے بھی اپنی شاعری میں حضورؐ کی تعلیمات اور اسلام کی حقانیت کے ذریعے مسلمانوں کو راہ حق کی تلقین کی۔ اپنے نعتیہ کلام میں اسلامی اصولوں اور نبی کریمؐ کی تعلیمات کا ذکر کر کے اپنی شاعری کو ایک عالمگیر پیغام کی صورت میں پیش کیا کہ یہ کلام پوری انسانیت کو سیدھے راستے پر چلنے کا ایک بہترین دعوت نامہ ثابت ہوتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں دیگر نعت گو شاعروں کے برعکس سماج میں اسلامی فکر کے منافی تصورات کو خاص طور پر موضوع بحث بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے منکرین کی تردید میں بھی کافی نظمیں لکھیں۔

مولانا کی نعتیہ شاعری میں قومی و ملی عناصر کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔ وہ اپنی نعتوں کے ذریعے حضورؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں قومیت کا جو تصور ملتا ہے وہ مسلمانوں کو اپنی شناخت پر فخر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں دینی و روحانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ عصری حالات و واقعات کا بھی عکس دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے نعتیہ سرمایے کا دامن وسیع کرتے ہوئے اس میں عصری سیاسی و قومی مسائل کو خصوصی جگہ دی ہے جو انہیں دیگر نعت گو شعراء میں منفرد درجہ عطا کرتے ہیں:

ہم بھلے ہیں یا بُرے ہیں تیرے آخر ہیں غلام
ہم کو ہم چشموں میں اے آقا نہ ہونے دے ذلیل
اے شفیع المذنبین اے رحمت للعالمین
انت کہفی انت حادی انت لی نعم الدلیل ۵

مولانا ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فکر اور طرز اقبال کی اتباع اور تقلید بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ذیل کے اشعار میں دیکھئے کہ کیسے وہ اقبال کی نظم "ذوق وشوق" کے رنگ سخن کی اتباع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

اے خاور حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبح ازل ہے تیری تجلی سے فیض یاب
زینت ازل کی ہے رونق ابد کی تو
دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب
پیدا نہ ہوئی تیری مواخات کی نظیر
لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب
خیر البشر ہے تو، تو ہے خیر الامم وہ قوم
جس کو ہے تیری ذات گرامی سے انتساب ۶

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری اردو ادب کا ایک قیمتی اثاثہ ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی شمع روشن کرتی ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں عشق رسول ﷺ، اسلامی تعلیمات کا بیان، اسلامی روایات کا درس، معنوی گہرائی، قومی و ملی جذبہ، زبان و بیان کی سلاست، ادبی خوبصورتی اور وابستگی و عقیدت کے عناصر یوں گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اردو نعت گوئی میں ایک خوشگوار امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو انہیں دیگر نعت گو شاعروں میں ایک منفرد اور بلند مقام عطا کرتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری نہ صرف دینی عقیدت کا مظہر ہے بلکہ ان کی قومی اور سیاسی فکر کی بھی بہترین غماز ہے۔ ان کی شاعری جہاں ایک طرف عشق رسول ﷺ کا بہترین اظہار ہے وہیں دوسری طرف اس میں امت مسلمہ کو بیدار کرنے کا خوبصورت پیغام بھی موجود ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری آج بھی دلوں کو گرماتی اور مسخر کرتی ہے اور عشق رسول ﷺ کے جذبات کو مہمیز کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ظفر علی خان، عشق رسول، مشمولہ بہارستان، اردو اکیڈمی پنجاب، لاہوری دروازہ، لاہور، ۱۹۳۷ء، ص، ۵۳
۲۔ ظفر علی خان، عرض داشت آمت بحضور سرور کون و مکان، مشمولہ بہارستان، اردو اکیڈمی پنجاب، لاہوری دروازہ، لاہور، ۱۹۳۷ء، ص، ۴۰
۳۔ ڈاکٹر ریاض مجید، اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص، ۴۴۰
۴۔ ظفر علی خان، رحمتہ للعالمین، مشمولہ بہارستان، اردو اکیڈمی پنجاب، لاہوری دروازہ، لاہور، ۱۹۳۷ء، ص، ۳۳
۵۔ ظفر علی خان، عرض داشت آمت بحضور سرور کون و مکان، مشمولہ بہارستان، اردو اکیڈمی پنجاب، لاہوری دروازہ، لاہور، ۱۹۳۷ء، ص، ۴۰
۶۔ ظفر علی خان، فریاد بحضور سرور کونین، مشمولہ بہارستان، اردو اکیڈمی پنجاب، لاہوری دروازہ، لاہور، ۱۹۳۷ء، ص، ۳۱

□□□

حمیدالنساء

ریسرچ اسکالر کانپور یونیورسٹی، ۳۴۵۔۵ /۴ /۷ ۳ بکل گھاٹ، جاجمئو، کانپور

9336735954

نعتیہ شاعری ایک جائزہ

ذکر رسول کر نہیں سکتے زباں سے
توفیق جب تلک نہ ملے آسمان سے

نعت گوئی کو اردو شاعری کا سرمایہ تاج شمار کیا جاتا ہے نعت گوئی کا فن دیکھنے میں جس قدر آسان نظر آتا ہے حقیقت میں اسی قدر مشکل ہے۔ ناقدین ادب اسے مشکل ترین صنف سخت قرار دیتے ہیں۔ نعت دراصل عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی وصف بیان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ نعت۔ یہ اس لفظ کی خوش نصیبی ہے کہ یہ دربار رسالت میں بہ حیثیت وصف نگاری ہوتا آیا اور تا قیامت ہوتا رہے گا۔ بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شعراء نے جو عقیدت پیش کی وہ نعتیہ شاعری کہلائی۔ اس صنف کا آغاز بعثت رسول اللہ کے بعد ہوا اور نعتیہ شاعری کے اس ذات اقدس کی مدح وثنا جس کی مثال آج تک کائنات نے نہیں دیکھی۔

نعت گوئی بہت ہی نازک فن ہے۔ دراصل نعت محض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاعرانہ توصیف کا نام نہیں بلکہ نبوت کے حقیقی کمالات کی ایسی تصویر کشی کا نام ہے جس سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوسکے اور یہ تازگی اور بالیدگی اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب مداح کا دل حقیقی محبت سے پر ہو۔ نعت گوئی عربی سے فارسی اور پھر اردو زبان میں آئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ عربی کے بعد سب سے زیادہ نعتیں اُردو میں لکھی گئیں ہیں اور یہاں نعتوں کا بہت بڑا سرمایہ موجود ہے۔

اردو کی بعض کتابوں میں عربی کی نعتیہ شاعری کی مختصر تاریخ کچھ اس طرح سے ملتی ہے جس کا حوالہ میں یہاں پیش کر رہی ہوں۔

عہد نبوی میں نعت گوئی

عہد نبوی میں نعتیہ شاعری کو جو عروج صحابہ کرام کے دور میں حاصل ہوا وہ نعت کا حقیقی دور تھا وہ محسوسات اور مشاہدات کی شاعری تھی آنکھوں دیکھی بات تھی وہ جو دیکھتے اسی کو موضوع بناتے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ دربار رسالت کے سب سے بڑے شاعر تھے۔ نعتیہ مراثی کے بانی سب سے بڑے مرثیہ گو تھے جب آپ صلی اللہ علیہ سلم کا انتقال ہوا تو آپ خوب روئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وہ مراثی کہے جو عربی نعتیہ ادب میں مثال رکھتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد کی طرح بہت عمدہ شاعر تھے آپ نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت عمدہ مدح بیان کی ہے۔ یہ نعتیہ مرثیہ عربی ادب میں ہی نہیں بلکہ نعتیہ ادب میں بھی زبان وبیان سے عمدہ ہونے کے سبب شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نعتیہ اشعار کچھ اس طرح ہیں۔

والا فان الحی دون محمد
بنو ہاشم خیر البریۃ متحداً
وانہ لہ فیکم من ا للہ ناصراً
ولست بلاق صاحب اللّہ اوحد

عہد نبوی میں نعتیہ شاعری میں قصائد کو ایک خاص مقام حاصل تھا کیونکہ عربی کی ابتدائی نعتیہ شاعری بکثرت قصائد کی شکل میں کہی گئی۔

ابو طالب، ورقہ بن نوفل کا شمار عہد نبوی کے ابتدائی نعتیہ قصیدہ گو میں شمار ہوتا ہے۔

''قدیم نعتیہ شاعر کا ذکر غواصی ابن نشاطی طبعی نصرتی صنعتی کے بغیر ادھورا ہے کہ انہیں فن نعت گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ نعت گوئی کا فن ہر دور میں آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکا ہر دور کے نعت گو شعراء نے جب رسول سے والہانہ اظہار پیش کیا اگر بات کی جائے محسن کاکوری کی تو نعت گو شعراء میں محسن کاکوری کو خاص توجہ حاصل ہے ان کی یہ خصوصیت نہایت ممتاز ہے کہ ان کی شاعری کی ابتدا نعت گوئی سے شروع ہوئی۔ ان کے نعتیہ کلام کی گوناگوں خصوصیات نے اُردو ادب میں ایک خاص رتبہ بخشا ہے۔ محسن کے خلوص کی اس سے بڑی وجہ اور کیا ہوگی جب انہوں نے نعتیہ کلام کی ابتدا کی تو پھر اسی کو اپنا سرمایہ افتخار بنا لیا۔ اور پھر کسی طرف توجہ نہ کی۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب بیان کرنے میں محسن کو خاص مہارت حاصل ہے۔ محسن نے زبان کے اعجاز کو ایسے موضوع کے لئے وقف کر دیا جو خود سراپا اعجاز ہے۔''

حضرت کعب بن زہیر، کعب بن مالک، ورقہ بن نوفل، حضرت عباس بن مروان کا شمار بھی عہد نبوی کے اعلیٰ شاعروں میں ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کا جوش وخروش سادگی میں بھی محبت وایثار خلوص اور جذب شوق کا ایسا شاندار مظاہرہ ہے کہ جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے تو شہنشاہ کونین کے استقبال کے لئے لوگ دونوں کناروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور لڑکیاں شوق میں گاتی ہیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
اَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ
جِئْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِيْنَةَ
مَرْحَبًا يَا خَيْرَ دَاعِ
قَدْ لَبِسْتَ ثَوْبَ عِزٍّ
بَعْدَ تَلْفِيْقِ الرِّقَاعِ
اَنْتَ فِيْ الْكُلِّ جَمِيْلٌ
وَجَمَالٌ يَا مُطَاعِ
وَرَضَعْنَا ثَدْيَ وَصْلٍ
قَبْلَ اَيَّامِ ا لرَّضَاعِ
رَبَّنَا صَلِّ عَلٰى مَنْ
صَلِّ فِيْ خَيْرِ الْبِقَاعِ

نعت جسے صوفیانہ یا مذہبی شاعری سے تعبیر کیا جاتا ہے اپنی ابتدا اور فروغ کے لئے صوفیائے کرام کی مرہون منت ہے اردو شاعری کے آغاز میں شعراء نے نعت گوئی کی طرف توجہ کی اس کا خاص مقصد یہ رہا کہ عوام تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ملہ بڑے دلکش انداز میں پیش کیا جائے تاکہ عوام کے لئے توجہ کا مرکز ہو۔ حقیقت میں یہ ایک تبلیغی کام تھا۔ جو نعتیہ کلام بن کر نمودار ہوا۔ اس لئے اس دور میں شمائل نبوی، معجزات نبی اور معراج نامے کثرت سے لکھے گئے۔ اور ہر مضمون اپنے رنگ میں نعت گوئی کے پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔

وجہی: وجہی کے نعتیہ اشعار وصف نبی سے پر ہیں۔ انہوں نے صفات نبوی کو نہایت واضح طور پر بیان کیا ہے۔ نمونہ کلام:

محمد نبیؐ ناؤں تیرا ہے
عرش کے اوپر چھاؤ تیرا ہے
کہ چودہ فلک کا تو سلطاں ہے
علی سا تیرے گھر پر پردھان ہے
اس ہور یک لاک پیغمبر آئے
ولے مرتبہ کوئی تیرا نہ پائے
چھپنا نور سب کا تیرا تگ
کہ جیو تارے چھپے ہے سوانگ

قدیم نعتیہ شاعر کا ذکر غواصی ابن نشاطی طبعی نصرتی صنعتی کے بغیر ادھورا ہے کہ انہیں فن نعت گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ نعت گوئی کا فن ہر دور میں آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکا ہر دور کے نعت گو شعراء نے جب رسول سے والہانہ اظہار پیش کیا اگر بات کی جائے محسن کاکوری کی تو نعت گو شعراء میں محسن کاکوری کو خاص توجہ حاصل ہے ان کی یہ خصوصیت نہایت ممتاز ہے کہ ان کی شاعری کی ابتدا نعت گوئی سے شروع ہوئی۔ ان کے نعتیہ کلام کی گوناگوں خصوصیات نے اردو ادب میں ایک خاص رتبہ بخشا ہے۔ محسن کے خلوص کی اس سے بڑی وجہ اور کیا ہوگی جب انہوں نے نعتیہ کلام کی ابتدا کی تو پھر اسی کو اپنا سرمایہ افتخار بنا لیا۔ اور پھر کسی طرف توجہ نہ کی۔

یہ ہے خواہش کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی
نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہل دنیا کی خوشامد کا

کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب بیان کرنے میں محسن کو خاص مہارت حاصل ہے۔ محسن نے زبان کے اعجاز کو ایسے موضوع کے لئے وقف کر دیا جو خود سراپا اعجاز ہے۔ ان کے یہاں زبان کی سادگی، سلاست، روانی، سادگی اور صوفیت ایک موسیقی کا سماں باندھتی ہے۔ محسن نے جن تشبیہات اور استعاروں سے اپنے کلام کو مزین کیا ہے ان سے شاعر کے حسن مذاق اور شاعرانہ صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔

مہ پارہ فلک سے آنے والا
اطلس کتاب بنانے والا
یوں چرخ سے نکلے وہ مہک رو
فانوس سے جس طرح کہ پرتو
شیشے سے پری چمن سے شبنم
سیپی سے گہر حباب سے دم
گلشن سے بہار جسم سے جان
آنکھوں سے نیند دل سے ارماں

سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد زندگی نے ایک نئی کروٹ بدلی۔ آزادی کی جدوجہد میں یہ ناکامی ایک انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ دراصل یہ انقلاب ایک نئے احساس کی شکل میں نمودار ہوا اور اس کی ہمہ گیری نے عملی اور ادبی دنیا کو بھی گھیر لیا اس دور کے نعتیہ ادب نے بھی ماضی سے الگ ایک نئی دنیا بنائی اور نعتیہ شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اب نعتیہ شاعری صرف جذباتی دنیا میں قید نہیں رہی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو زندگی سے ہم آہنگ دکھایا۔

نعتیہ شاعری کے اس دور کے معمار مولانا حالی اور شبلی ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی: یوں تو حالی کے دور سے پہلے بھی نعت گو شعراء کے کلام نے بھی نعت گوئی کے ہر فن کو اجاگر کیا مگر حالی نے اس میں نظم اور ضبط قائم کر کے نعت کے اس مقصدی رنگ کو اجاگر کیا اور اسے تعمیر حیات کا ذریعہ بنایا۔ ان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نعت میں انہوں نے ایک نیا رنگ پیدا کیا اور مسلمانوں کے اخلاقی، معاشی، معاشرتی زاویوں کا علاج قرار دیا کہ تعلیمات نبوی کو از سر نو عملی زندگی میں جاری کیا جائے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کی کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے در گزر کرنے والا

بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی: مولانا شبلی گوناگوں صفات کے حامل تھے وہ بہ یک وقت فلسفی، ادیب ناقد، شاعر، مورخ، ماہر تعلیم، فقیہ، محدث وغیرہ سب کچھ تھے۔ اسی جامع کمالات شخصیت اردو ادب کو مولانا شبلی سے پہلے نصیب نہ ہوئی۔ نعتیہ شاعری میں مولانا حالی کے ساتھ علامہ شبلی کا اصلاحی مقصد ہے ان کی جو نظمیں ہیں ان مذہبی اور اخلاقی مضامین پائے جاتے ہیں۔ ادیب کی حیثیت سے شبلی نے جہاں سیرت نبوی لکھ کر نثر کی جہاں ایک بے مثل...... اردو زبان کو عطا کی وہاں شاعر کی حیثیت سے جو کچھ کہا اسے سیرت نگاری پیش رکھ کر کیا۔ شبلی نے نعت کو صرف والہانہ جذبہ اور شوق کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے اخلاقی اور تاریخی رنگ دے کر اس میں خوبی اور بلندی عطا کی۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال: اقبال کی تعلیمات کا مرکز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا مرکز ہے۔ وہ آپ کی سیرت پاک میں حیات انسانی کے لئے ایک مکمل نمونہ دیکھتے ہیں۔

اقبال کا دل جمال محمدی پر اس لئے فریفتہ ہے کہ وہ اسے صداقت کے پیکر میں جلوہ گر پاتے ہیں۔ انسان کے کمال کی آخری منزل اقبال کو حقیقت محمدی میں نظر آتی ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ان کے کلام میں جگہ جگہ موجود ہے۔ وہ زندگی کی کامیابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ دیکھتے ہیں۔

تجھ کو چھوڑا رسول عربی کو چھوڑا
بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا
رسم مسلمان واویس قرنی کو چھوڑا

اور بارگاہ خدا میں حصول عظمت کے لئے عشق کو پیدا کرنے کے لئے کہتے ہیں۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے
کی محمد سے وفا تو نے توہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اقبال کے کلام میں حکمت آفرینی جگہ جگہ پائی جاتی ہے وہ ہر مضمون کی ترجمانی اسی انداز فکر کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی جلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرشی
خودی کی زد میں ساری خدائی

حوالہ جات

(۱) اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی پاکستان، حمایت اسلام پریس لاہور ۱۹۹۵، ڈاکٹر ریاض مجید۔
(۲) اردو میں نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، 1976، سید رفیع الدین اشفاق۔
(۳) اردو شاعری میں نعت، نسیم بک ڈپو لکھنؤ۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد، فتح پور۔

□□□

نعت

آپ کے در سے جو منسوب ہوا خوب ہوا
پھر وہ اللہ کا محبوب ہوا خوب ہوا

عود و عنبر سی مہکتی ہیں فضائیں دیکھو
نعت سے پُر مرا مکتوب ہوا خوب ہوا

شخصیت آپ کی ایسی تھی جسے دیکھ عدو
حسنِ اخلاق سے مرعوب ہوا خوب ہوا

رب نے واجب کیا ہم پر کہ رہے ورد درود
ذکرِ احمد اسے مرغوب ہوا خوب ہوا

عشق کے باب میں قصہ یہ بھی مشہور ہوا
دیکھ طالب ہی تو مطلوب ہوا خوب ہوا

میرے آقا کا تبسم بھی عجب ہے نازاں
جو ملا آپ سے مغلوب ہوا خوب ہوا

جبیں نازاں

جے ۲۳، سیکنڈ فلور، زد عبداللہ مسجد گلی نمبر ۲، رمیش پارک، لکشمی نگر، نئی دہلی
9801315572

نعت

چلی جو باد صبائے محمد عربی
پڑھی گلوں نے ثنائے محمد عربی
خدا کے بعد مری جستجو کی آنکھوں میں
کوئی نہیں ہے سوائے محمد عربی
محمد عربی کا عمامہ رحم و کرم
تو رحمتیں ہیں قبائے محمد عربی
بلال حبش کو پہناتا قرب خاص کا تاج
ہے بے مثال ادائے محمد عربی
نجوم و ماہ کی صورت خلا کے دامن میں
چمک رہی ہے صدائے محمد عربی
لباس سبزہ خوش رنگ آ کے پہنائے
جہان ِگل کو ہوائے محمد عربی
ہوا کی سخت مزاجی جو گل مزاج ہوئی
ہوا یہ فیصلہ آئے محمد عربی
زمیں فلک شجر و گل ثمر چرند و پرند
ہوئے ہیں خلق برائے محمد عربی
خدا کہوں جو کسی اور کو تو کفر کروں
مرا خدا ہے خدائے محمد عربی
علی کو ملک ولایت کی مل گئی
شاہی پڑا جو ظل ہمائے محمد عربی
خلوص امن وفا اتحاد یک جہتی ہے
وہ نظام جو لائے محمد عربی
بنی ہے نعت نگاری جو زندگی یاورؔ
مرے لیے ہے عطائے محمد عربی

یاورؔ وارثی
چمن گنج، کانپور
9455306981

نعت

اے خدای کے خریدار مدینے والے
ہم کو بھی دیکھ لے اک بار مدینے والے

صاحب دین ہیں بے دین ہوا کی زد پہ
زندگی ہو گئی دشوار مدینے والے

اپنی کملی کی ہوا دیدے کہ سانس آ جائے
ٹوٹ جائے نہ کہیں تار مدینے والے

عرش بھی سر جو اٹھائے تو گرا دے دستار
اتنی اونچی تیری دستار مدینے والے

تم ہی مختار شفاعت ہو گنہ گاروں کے
ہم ہیں رحمت کے طلبگار مدینے والے

تیری گلیوں کو جو دیکھا تو نظر سے میری
گر گیا مصر کا بازار مدینے والے

اس لئے بولتا قرآن تجھے کہتے ہیں
آیتیں ہیں تیرا کردار مدینے والے

اک مسلسل ہے طلب ایک مسلسل ہے عطا
اک نظیرؔ اک تیرا دربار مدینے والے

میر نظیرؔ باقری
اکروتیا سادات، اتھولی سنبھل ۲۴۴۳۰۴
9411430542

نعت

اسلام کی تنویر ہے فیضانِ مدینہ
اللہ کا محبوب ہے رضوانِ مدینہ

حضرت کو جو روضۃ ہے وہ جنت ہے زمیں پر
آقا ہیں مرے فخر سلیمان مدینہ

حضرت کی فضیلت نہ مٹا پائے گا کوئی
اللہ کی رحمت ہے نگہبان مدینہ

جو نور مجسم پہ دل و جاں سے فدا تھا
کہتے ہیں اسے سب شہ مردانِ مدینہ

یوں حضرت حمزہؓ بھی فدا ہوگئے دیں پر
آقا کے نواسے ہیں شہیدانِ مدینہ

منکر ہے محمدؐ کے فضائل کا ازل سے
ابلیس ہے مردود پریشان مدینہ

اولاد سے الفت تھی انہیں حکم خدا سے
اس واسطہ عترت ہے دل وجانِ مدینہ

اسلام کی جنگوں میں علمدار نبی تھے
یوں حیدرکرار ہوئے نشانِ مدینہ

بے بس ہیں عدوئے شہ لولاک ازل سے
کفار ہزیمت سے ہیں حیران مدینہ

دیکھ آئے ہیں اخترؔ بھی مزار شہ لولاک
کچھ روز ہوئے حج میں یہ مہمانِ مدینہ

علی اخترؔ زیدی
نزد صغریٰ امام باڑہ، مفتی گنج لکھنؤ
8476820611

نعت

ہے میر کاروانِ ہوش مستانہ محمدؐ کا
خرد کی لاج رکھ لی بن کے دیوانہ محمدؐ کا

ثنائے میم احمدؐ میں دہن غنچوں نے جب کھولے
جھکیں شاخیں ادا کرنے کو شکرانہ محمدؐ کا

وہیں پر سلسبیل و کوثر تسنیم لہرائیں
چھلک جائے جہاں تھوڑا سا پیمانہ محمدؐ کا

اُسے طوفان خود لے کر چلا آئے سرِ ساحل
بھنور میں بھی قدم رکھ دے جو دیوانہ محمدؐ کا

نہ دیکھیں خضر بھولے سے بھی سوئے چشمۂ حیواں
شعورِ زندگی بخشے جو میخانہ محمدؐ کا

جہاں تسخیر کر ڈالا نہ لی تلوار ہاتھوں میں
جھکا دیتا تھا دل خُلق کریمانہ محمدؐ کا

زمیں تا عرشہ معراج تھے نقشِ قدم ان کے
کہاں جائے گا ہوجائے گا جو بیگانہ محمدؐ کا

کوئی خطہ ہو دنیا کا نبیؐ کا ذکر ہوتا ہے
جہاں پر چھا گیا طرزِ حکیمانہ محمدؐ کا

سلاطین جہاں کے تاج ہوں ٹھوکر میں اے شیداؔ
اگر آجائے اندازِ فقیرانہ محمدؐ کا

ڈاکٹر کمال حیدر شیداؔ اعظمی
مفتی گنج، لکھنؤ
9889335567

نعت

بجھے بجھے سے چراغوں میں روشنی آئی
مرے حضورؐ جو آئے تو زندگی آئی

بہار آکے مچلنے لگی ہے قدموں میں
ہر ایک شئے میں مرے یار تازگی آئی

سنا ہے دل کو وہیں پہ سکون ملتا ہے
ہر اک بشر کو وہیں پہ تو بندگی آئی

انہیں کے نام سے تم بھی سنوار لو قسمت
انہیں کے نام سے سب کو سخنوری آئی

انہیں کے نام سے لیل و نہار چمکے ہیں
انہیں کے نام سے گیتوں میں نغمگی آئی

انہیں کے نام سے اخلاص و آگہی آئی
تھا ان سے پہلے عرب میں بھی دشمنی کا چلن

وہ آگئے تو زمانے میں دوستی آئی
انہیں کے نام سے سورج پلٹ کے آیا

انہیں کے نام سے دنیا میں ہر خوشی آئی
کرم ہے ان کا کہ فردوس مل گئی شہرت

انہیں کا نام لیا ہے تو شاعری آئی

فردوس گیاوی

عارف نگر، گیول بیگھا، گیا

9446037777

نعت

تذکرہ ہونٹوں پہ ہے خالق کے اس شہکار کا
جس کی آنکھوں میں ہے جلوہ عالم انوار کا

آج آیا ہوں میں اس کی نعت خوانی کے لئے
پوچھتے جو گھر تک آئے حال دل بیمار کا

فخر یوسف نے جہاں نے پر رکھ دیے اپنے قدم
اس زمیں سے کیا تقابل مسر کے بازار کا

کیا کرے گا آئینہ شرح جمال مصطفیٰ
سجدہ گاہ انبیاء ہے نقش پا سرکار کا

جب اتر آیا میرے سینے میں عشق مصطفیٰ
تب کہیں جا کر کھلا جوہر مرے افکار کا

اے شہنشاہ تکلم تجھ سے ملنے کے بعد
سنگ پاروں کو سلیقہ آگیا گفتار کا

آگیا نور مجسم مٹ گئے ظلمت کدے
اب یہی عنوان ہوگا صبح کے اخبار کا

جیسے جیسے ہوں گی حاصل معرفت کی منزلیں
دائرہ بڑھتا رہے گا جذبۂ ایثار کا

از زمیں تا آسماں طلعت کی حد کوئی نہیں
کوبہ کو بکھرا ہے جلوہ احمد مختار کا

ناطق غازی پوری

نزد مفتی ہاؤس، مفتی محلہ، جونپور

8423378082

نعت

یہ چمکائے جنت کو روئے محمد
وہاں کے گلوں میں ہے بوئے محمد

سمجھنا اگر چاہیں راز دو عالم
تو عقل و خرد جائیں سوئے محمد

ہے وللیل تحسین زلف معنبر
درخشاں اسی سے ہیں موئے محمد

یہ اعلان قرآن نے کر دیا ہے
کہ اخلاق اعلی ہے خوئے محمد

ہوئی روح پاکیزہ دل اس کا جھوما
سنی جس نے بھی گفتگوئے محمد

علی فاطمہ اور شبیر و شبر
یہی سب کے سب ہیں سبوئے محمد

سہیل اب میرے دل پہ رحمت کے سائے
ہے دل میں میرے آرزوئے محمد

سہیل کاکوروی
قندھاری بازار، لال باغ، لکھنو
6306705188

نعت

جنکے لب پہ احمد کے تذکرے نہیں ہوتے
ان کے حق میں خالق کے فیصلے نہیں ہوتے

گر نبی نہیں ہوتے بس خدا خدا ہوتا
پھر تو حل کسی کے بھی مسئلے نہیں ہوتے

وہ نبی کی الفت کو لازمی نہیں کرتا
دل تو ہوتا پر دل میں ولولے نہیں ہوتے

یہ زمیں نہیں ہوتی آسماں نہیں ہوتا
باخدا مرے آقا سامنے نہیں ہوتے

رکھدیا ہے قرآں میں حق نے سورۂ کوثر
ہاں رسول کو طعنے گر ملے نہیں ہوتے

وہ کہو خدیجہ کے گھر میں آگئیں زھرا
ورنہ پھر اماموں کے سلسلے نہیں ہوتے

کاش آگئے ہوتے مرکزِ ولایت پہ
مفتیوں کے ہاتھوں میں جھنجھٹے نہیں ہوتے

یہ کرم ہے خالق کا اس نے بخش دی عزت
ھادی گر نہیں ہوتے دل جلے نہیں ہوتے

ہادی رضا ہادی بارہ بنکوی
عزت نگر کالونی، ہردوئی روڈ، دوبگا، لکھنو
8400609648

نعت

زحمتِ سرکار کی ایسے ادا اجرت کرو
جن سے قرآں نے کہا ہے ان سے ہی الفت کرو

آپ کا طرزِ تخاطب آپ کا طرزِ عمل
منزلِ تکمیل پائے صاف گر نیت کرو

نعت کہنے کا ہنر گر چاہئے تو آن کر
گردِ پائے حضرتِ عمران پہ بیعت کرو

وارثِ علمِ لدُنّی کیوں سمجھ آتا نہیں
والدہ سے پوچھنے کی آپ بھی زحمت کرو

تم بھی ہو جاؤ ذرا سا مدرکِ سرِّ نہاں
اس فضیلت کے لئے سلمان سی قسمت کرو

کر کے بتلاتا ہے وہ "اِلَّا قَلِیْلًا" کا خطاب
اے مرے محمود و احمد اتنی زحمت مت کرو

ہفتۂ وحدت کا ہے یہ بھی تقاضا دوستوں
ہے ولادت مصطفیؐ کی خیر میں شرکت کرو

مولانا ظہیر الہ آبادی
حضرت گنج، منجھن پور، کوشامبی
7060660529

نعت

سرنگوں ہے کبر اخلاص پیمبر دیکھ کر
نورِ ایماں دیکھ کر اخلاقِ سرور دیکھ کر

کسب نورِ لم یزل کرنے لگے شمس و قمر
رحمت للعالمین کا : روئے انور دیکھ کر

عاصیوں کی تشنہ کامی جاگ اٹھے گی حشر میں
ساقیِ کوثر کے صدقے جام کوثر دیکھ کر

آگئے کھنچ کھنچ کے سب دنیا کے ٹھکرائے ہوئے
بزمِ محبوبِ خدا میں خُلق اطہر دیکھ کر

مہرباں کیوں کہ نہ ہوتے قبر میں مُنکر نکیر
عشقِ احمد سے مراد سینہ منوّر دیکھ کر

کُفر کی تاریکیوں میں آرہا ہے انقلاب
نیّر اوج رسالت کے یہ تیور دیکھ کر

ہمکنار منزلِ عرفاں وہ عاطفؔ ہوگیا
چل دیا جو بھی نقوشِ پائے سرور دیکھ کر

ریحانہ عاطف
"گل برگ منزل" کالا پیادہ، خیرآباد، سیتاپور
9026227093

نعت

تھے ابھی تک آسماں میں رحمت اللعالمیں
آ گئے اب اس جہاں میں رحمت اللعالمیں

روشنی ہی روشنی پھیلی ہوئی ہے چار سو
نور ہیں کون و مکاں میں رحمت اللعالمیں

ذکر ہے ان کا مقدس بھیجیے ان پر دورود
ہیں تقدس کی زباں میں رحمت اللعالمیں

ہے خدا کے بعد۔رتبہ آپ کا سب سے بلند
آپ شامل ہیں اذاں میں رحمت اللعالمیں

ہے منور میرا دل میری نظر میرا دماغ
آ گئے میرے بیاں میں رحمت اللعالمیں

آپ کے جشنِ ولادت کی سجی ہیں محفلیں
جوش ہے پیر و جواں میں رحمت اللعالمیں

سب سے اعلی سب سے افضل آپ ہیں سب سے جدا
انبیا کے گلستاں میں رحمت اللعالمیں

ہو گی ہم سب کی شفاعت روزِ محشر مومنو
لے کے جائیں گے جناں میں رحمت اللعالمیں

فخر ہے ”تنویرؔ“ کو شاعر ہیں اہلبیت کے
آپ کے ہم مدح خواں ہیں رحمت اللعالمیں

سید عباس رضا تنویر اعظمی
یونٹی پلازہ،مہتاب باغ،لکھنو
9935374042

نعت

بغیر نامِ نبیؐ حوصلہ نہیں ملتا
دعائیں کرتے رہو کچھ صلہ نہیں ملتا

خدا کو ڈھونڈ رہے ہو عبادتوں میں مگر
بغیر عشقِ محمدؐ خدا نہیں ملتا

کیا تھا چاند کو شق آپ نے اشارے سے
جہاں میں ایسا کوئی معجزہ نہیں ملتا

نواز دو کہ مجھے گردشوں نے گھیرا ہے
حیاتِ غم کا کوئی مدعا نہیں ملتا

بنا غبار غریبوں کے آشیانے کا
غریب جائیں کہاں راستہ نہیں ملتا

کوئی جو لے کے چلے سوئے یار نکہتؔ کو
میں ڈھونڈتی ہوں وہی قافلہ نہیں ملتا

کرم کی آس ہے بس آپ ہی سے نکہتؔ کو
مرے کریم کوئی آپ سا نہیں ملتا

نسرین نکہتؔ
ایچ سیکٹر ۱۵/۴۹۶ راوڑکیلا،اڑیشہ
9668462040

نعت

اب چشمِ منتظر پہ عنایت ہو یا رسول ﷺ
خوابوں میں ہی صحیح بشارت ہو یا رسول ﷺ

دونوں جہاں میں اس کی فضیلت ہو یا رسول ﷺ
رسوا کہیں نہ آپ ﷺ کی امت ہو یا رسول ﷺ

تہذیب غیر کی نہ مسلط کروں کبھی
شامل میری حیات میں سنّت ہو یا رسول ﷺ

محشر میں عاصیوں کی شفاعت کرے گا کون
جنّت کی آپ ﷺ ہی تو ضمانت ہو یا رسول ﷺ

اس پر ہی جینا مرنا خدارا سدا رہے
ہر اک میرے عمل میں شریعت ہو یا رسول ﷺ

ابلیسی طاقتیں اسے گمراہ کیا کریں
حاصل جسے تمہاری قیاوت ہو یا رسول ﷺ

میری نظر میں ہیچ ہو مصنوئی رونقیں
بس میرے دل میں آپ ﷺ کی الفت ہو یا رسول ﷺ

صابر پیا کو جس نے ہے صابر بنا دیا
محورؔ کے نفس میں وہ قناعت ہو یا رسول ﷺ

باطن کے سارے پردے جو محورؔ پہ کھول دے
ہاں، منکشف وہ اس پہ حقیت ہو یا رسول ﷺ

منصو محورؔ
دیبہ پور۔لکھیری ٹاؤن، کھیری
9451281051

نعت

آپ کے سب ہیں طلبگار رسولؐ عربیؐ
آپ ہیں سیّد ابرار رسولؐ عربیؐ

دیکھ کر آپ کے اوصاف کریمانہ کو
جھک گئے ہیں سبھی اغیار رسولؐ عربیؐ

جن کے آنے سے منور ہوا سارا عالم
ہیں وہی منبعۂ انوار رسولؐ عربیؐ

دیکھ کر جنگ احد مین رہی دنیا ششدر
منھ کے بل گر گئے کفار رسولؐ عربیؐ

ناخدا آپ ہی ہیں ڈوبتی کشتی کی مری
بحرِ عصیاں سے کریں پار رسول عربیؐ

جو اعانت کریں کرتے رہیں امت کی شہا
آپ ہیں مالک و مختار رسول عربیؐ

مجھ کو روضۂ اقدس پہ بلالیں اک دن
میں بھی ہوں طالب دیدار رسول عربیؐ

میرا ایمان ہے گر ذرّۂ نوری مل جائے
قلب ہوجائے گا بیدار رسول عربیؐ

روز محشر ہے بھروسہ مجھے اے میرے ندیمؔ
آپ ہی ہوں گے مددگار رسول عربیؐ

غلام صمدانی۔ندیم جعفری
نیو اسٹائل ٹیلر، شہابو کمپلیکس، لال میڈیکل، جی بی روڈ، گیا
6205090327

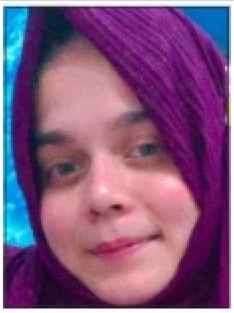

علیشا

اقبال نگر، مفتی گنج لکھنو

8957254833

ترقیات

اتر پردیش اور جاپان کے درمیان صنعتی تعاون

ہندوستان اور جاپان کے تعلقات صدیوں سے دوستانہ رہے ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان تجارتی، ثقافتی اور عالمی شراکت داری کی جڑیں ایک ہزار سال سے زیادہ پرانی ہیں۔ ہندوستان اور جاپان بڑی معیشتوں والے ممالک ہیں۔ دونوں ممالک میں ایک جیسے جمہوری، سیکولر اور تکثیری نظام ہیں جن کی سماجی و اقتصادی ترقی کی ترجیحات کے ساتھ ساتھ عالمی سطح کے اسٹریٹجک وژن بھی ہیں۔ آج جب دنیا کے تمام ممالک جنگ میں ہیں، وزیر اعظم جناب نریندر مودی جی بھگوان بدھ کے پیغام کے ذریعے دنیا کو امن، ہم آہنگی اور اتحاد کے دھاگے میں باندھ رہے ہیں۔ وزیر اعظم اور جاپان کے سابق وزیر اعظم آنجہانی شنزو آبے کے درمیان قریبی تعلقات نے ہندوستان اور جاپان کے سیاسی، اقتصادی اور کاروباری تعلقات کو بھی نئی بلندیوں تک پہنچایا۔

اتر پردیش حکومت اور یاماناشی پریفیکچر (جاپان) کے درمیان صنعتی تعاون، سیاحت اور پیشہ ورانہ تعلیم کے شعبے میں ایک مفاہمت نامے پر آج یہاں ان کی رہائش گاہ پر دستخط کیے گئے۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اتر پردیش اور جاپان کے ساتھ دستخط شدہ مفاہمت نامے وزیر اعظم جناب نریندر مودی کے مشترکہ جمہوری اقدار کی بنیاد پر انسانیت کے لیے اہم ممالک کے ساتھ مل کر کام کرنے کے عزم کا نتیجہ ہے۔

قبل ازیں وزیر اعلیٰ نے جاپان کے یاماناشی پریفیکچر کے معزز گورنر مسٹر کوتارو ناگاساکی کی قیادت میں آنے والے وفد کا جاپانی زبان میں خطاب کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ریاستی حکومت کی جانب سے، چیف سکریٹری جناب منوج کمار سنگھ اور یاماناشی پریفیکچر کے گورنر کے پالیسی پلاننگ بیورو کے ڈائریکٹر جنرل جناب جونیچی اکشیدرا نے مفاہمت نامے کا تبادلہ کیا۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اتر پردیش لامحدود صلاحیتوں کی ریاست ہے۔ آج اس ایم او یو کے بعد ہندوستان اور جاپان کے تعلقات کو ایک نئی طاقت ملے گی۔ لامحدود صلاحیت کی اس حالت میں آپ کو ایک خوشگوار تجربہ حاصل ہوگا۔ جاپان سے آنے والے آپ سبھی کو اتر پردیش کی صلاحیت کا بھرپور فائدہ ملے گا۔ ریاستی حکومت جاپانی کمپنیوں کے ساتھ تعاون کرنے کی خواہشمند ہے۔ یوپی گلوبل انویسٹرس سمٹ-2023 کے پارٹنر ملک کے طور پر جاپان کو بھی زبردست حمایت ملی۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ہندوستان اور جاپان کے درمیان اقتصادی تعاون بہت بھرپور ہے۔ اس وقت 1400 سے زیادہ جاپانی کمپنیاں بھارت میں کام کر رہی ہیں۔ مالی سال 2023-24 میں دونوں ممالک کے درمیان 854.22 بلین امریکی ڈالر کی باہمی تجارت ہوئی ہے۔ اس عرصے کے دوران جاپان سے ہندوستان کو 69.17 بلین امریکی ڈالر برآمد کیے گئے اور 15.5 بلین امریکی ڈالر کی درآمد کی گئی۔

ملک کی سب سے زیادہ آبادی والی ریاست اتر پردیش سائز کے لحاظ سے بھارت کی چوتھی بڑی ریاست ہے۔ یہاں رہنے والے 25 کروڑ شہری اسے ہندوستان کی سب سے بڑی لیبر اور کنزیومر مارکیٹ بناتے ہیں۔ گزشتہ ساڑھے سات سالوں میں ریاستی حکومت نے ریاست میں سرمایہ کاری کے لیے بہترین ماحول بنایا ہے۔ ریل، سڑک، ہوائی اور آبی راستوں سے بہترین رابطہ ہے۔ اس سے صنعتوں کے لیے عالمی اور گھریلو منڈیوں تک رسائی کے لیے رسد کی آسانی میں اضافہ ہوا ہے۔ ریاست میں ملک کا سب سے بڑا ریلوے نیٹ ورک ہے۔ یہ 16000 کلومیٹر سے زیادہ ہے۔

ویسٹرن ڈیڈیکیٹڈ فریٹ کوریڈور کا زیادہ تر علاقہ - 5.8 فیصد اور ایسٹرن ڈیڈیکیٹڈ فریٹ کوریڈور- 57 فیصد اتر پردیش میں آتا ہے۔ دونوں مال بردار راہداریوں کا جنکشن ریاست کے دادری (گریٹر نوئیڈا) میں ہے۔ ملک میں سب سے زیادہ وسیع قومی شاہراہوں کے نیٹ ورکس میں سے ایک کے ساتھ، اتر پردیش نے 13 موجودہ اور آنے والے ایکسپریس ویز کے ساتھ خود کو ایک 'ایکسپریس وے اسٹیٹ' کے طور پر قائم کیا ہے۔ 1,225 کلومیٹر کے 06 ایکسپریس ویز مکمل ہو چکے ہیں، جبکہ 07 ترقی کے مختلف مراحل میں ہیں۔ یہ ایکسپریس وے ریاست بھر میں مینوفیکچرنگ ہب کو بغیر کسی رکاوٹ کے کنیکٹیویٹی فراہم کر رہے ہیں۔ اتر پردیش کو ایکسپریس وے ریاست کے طور پر ایک نئی شناخت مل رہی ہے۔ گنگا ایکسپریس وے کی تعمیر کے بعد ملک کے کل ایکسپریس وے میں اتر پردیش کا حصہ 55 فیصد ہوگا۔ اس وقت 1130 کلومیٹر کی کل لمبائی کے 05 ایکسپریس ویز چل رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ میرٹھ اور پریاگ راج کے درمیان 594 کلومیٹر گنگا ایکسپریس وے سمیت 720 کلومیٹر لمبائی کے 03 ایکسپریس وے زیر تعمیر ہیں۔ ایودھیا، لکھنؤ، وارانسی اور کشی نگر میں چلنے والے ایشیا کے سب سے بڑے بین الاقوامی ہوائی اڈے کی ترقی کے ساتھ اور جیور میں زیر تعمیر، اتر پردیش 05 بین الاقوامی ہوائی اڈوں کے ساتھ ملک کی واحد ریاست بننے جا رہی ہے۔ اس وقت 16 ملکی ہوائی اڈے، جن میں 04 بین الاقوامی ہوائی اڈے کام کر رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ یاماناشی پریفیکچر اور اتر پردیش کے درمیان کافی مماثلت ہے۔ دونوں لینڈ لاکڈ ریاستیں ہیں، دونوں کی اپنی اپنی حدود ہیں۔ اتر پردیش نے اس مسئلے کو ایک چیلنج کے طور پر لیا ہے اور اب ہم نے خشک بندرگاہیں تیار کی ہیں۔ اندرون ملک آبی گزرگاہ کو چالو کر دیا گیا ہے۔ ملک کی پہلی آبی گزرگاہ ریاست کے وارانسی سے مغربی بنگال کے ہلدیہ تک شروع ہو گئی ہے۔ وارانسی میں 100 ایکڑ پر ہندوستان کا پہلا فریٹ ولیج تیار کیا جا رہا ہے۔ مشرقی اتر پردیش کے برآمدی مراکز کو مشرقی ہندوستان کی بندرگاہوں سے جوڑتے ہوئے، یہ گاؤں اندرون اور باہر جانے والے کارگو کے لیے ٹرانس شپمنٹ مرکز کے طور پر کام کرے گا۔

□□□

جناب وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ انٹرنیشنل یوگ کانفرنس کے موقع پر کتاب کا اجراء کرتے ہوئے۔

جناب وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ ''یوا شکتی راشٹریہ شکتی''بس کو ہری جھنڈی دکھا کر روانہ کرتے ہوئے۔

वर्ष : 78 अंक 6, 7, 8
अक्टूबर, नवम्बर, दिसम्बर 2023
मूल्य : 15 रु./–
वार्षिक मूल्य : 180 रु./–

उर्दू मासिक,
पोस्ट बॉक्स
लखनऊ –

सूचना एवं जनसम्पर्क विभाग, उ.प्र. स्वत्वाधिकारी के लिए शिशिर, निदे
प्रकाश एन. भार्गव, प्रकाश पैकेजर्स, प्रथम तल, शगुन पैलेस,